شیخ الحدیث حضرت مولانا **سمیع الحق** شہید رحمۃ اللہ علیہ

کی اندوہناک شہادت

ماہنامہ

الابرار کراچی

ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق نومبر ۲۰۱۸ء

بانی: شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ وجامعہ اشرف المدارس کا ترجمان

ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق نومبر ۲۰۱۸ء جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۳

بفیضِ دُعا

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اندرون ملک

قیمت فی پرچہ .... ۳۵ روپے

زرسالانہ بذریعہ ڈاک .... ۵۰۰ روپے

سالانہ خصوصی تعاون .... ۱۱۰۰ روپے

بیرون ملک

امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک 30 ڈالر

سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ عرب امارات 25 ڈالر

ایران اور بنگلہ دیش 25 ڈالر سالانہ

خط و کتابت و ترسیل کا پتہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی

پوسٹ بکس: 11182 رابطہ: +92.21.34972080، +92.316.7771354

editor.alabrar@gmail.com | www.khanqah.org

پبلشرز: محمد ابراہیم جامعہ اشرف المدارس کراچی | پرنٹرز: القادر پرنٹنگ پریس، کراچی

REGD No.MC-1053

ترتیب

۱۔ اداریہ

۲۔ مضامین قرآن

۳۔ مضامین حدیث

۴۔ اشعارِ معرفت

۵۔ ملفوظاتِ اکابر

۶۔ مواعظِ حسنہ

۷۔ مضامین و مقالات

۸۔ متفرقات

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اندوہناک شہادت

مشہور عالم دین اور بزرگ رہنما شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ۲ نومبر ۲۰۱۸ء کو جمعہ کے مبارک دن جام شہادت نوش فرماکر اس دارِ فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ یہ اندوہناک حادثہ جمعہ کی شام پیش آیا جب چھ بج کر پینتیس منٹ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے سیکریٹری نے اطلاع دی کہ شیخ الحدیث صاحب اپنے کمرے میں زخمی حالت میں موجود ہیں۔ ابتدائی تحقیقات کے مطابق جب ان کا ملازم اور گارڈ سودا سلف لینے کے لیے گھر سے باہر گئے تو اس دوران حملہ آور دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہوا اور اس نے شیخ الحدیث صاحب کو چھریوں کے وار کر کے شہید کر دیا۔ ابتدائی تحقیقات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قاتل ان کی گھات میں تھا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر اکیاسی برس تھی۔

آپ کی ناگہانی شہادت سے علم و عمل کے ایک زریں عہد کا خاتمہ ہوگیا، آپ کی رحلت سے تدبر و دانشوری کی بساط لپیٹ دی گئی۔ آپ کی شہادت سے نہ صرف پاکستان میں، بلکہ پڑوسی ممالک کے علمی حلقوں میں بھی غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نا صرف پاکستان اور برصغیر کے ممتاز اور نمایاں عالم دین تھے، بلکہ درس و تدریس کی دنیا کے امام بھی تصور کیے جاتے تھے۔ آپ نے پاکستان کی کئی نسلوں کی دینی اور مذہبی تعلیم و تربیت میں اپنا خون جگر صرف کیا۔

دین حق کے داعی اور بین الاقوامی باطل قوتوں کے سامنے دلیری سے ڈٹ جانے والے جمعیت علمائے اسلام (س) کے سربراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کو اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام گرامی حضرت مولانا عبد الحق تھا جو بڑی مذہبی شخصیت تھے، وہ دار العلوم حقانیہ کے مہتمم اور سربراہ تھے۔ شیخ الحدیث صاحب نے ابتدائی تعلیم جامعہ اکوڑہ خٹک میں حاصل کی، جہاں انہوں نے فقہ، عربی ادب، منطق، صرف و نحو، تفسیر اور حدیث کا علم سیکھا، انہیں عربی زبان پر عبور حاصل تھا ساتھ ساتھ پاکستان کی قومی زبان اردو اور علاقائی زبان پشتو میں بھی کلام کرتے تھے۔ مولانا ایک وسیع الظرف، نیک دل اور کشادہ نظر عالم دین تھے، جو خورد کلاں، چھوٹے بڑے ہر ایک سے خندہ روئی سے پیش آتے تھے۔ بیرون سے آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارت اور ان کی ضیافت ان کی عادت ثانیہ تھی۔

آپ ۱۹۸۸ء سے دار العلوم حقانیہ کے مہتمم تھے اور جمعیت علمائے اسلام (س) پاکستان سمیت متعدد دینی، علمی، سیاسی اور سماجی اداروں کے سربراہ اور صدر بھی تھے۔ شیخ الحدیث صاحب نے جن اداروں سے

وابستگی اختیار کی، انہیں اپنے فہم و فراست اور دینی بصیرت و بصارت کو بروئے کار لا کر ثریٰ سے ثریا پر پہنچا دیا۔

شیخ الحدیث صاحب میدان سیاست کی بدعنوانی اور رشوت خوری کی وجہ سے یہ یقین کرتے تھے کہ سیاست اور سیاسی اداروں کی اصلاح از حد ضروری ہے، اسی لیے سیاست سے بھی انہیں حد درجہ دلچسپی تھی۔ اسی لیے انہوں نے نا صرف ملک کے قومی انتخابات میں حصہ لیا اور دو مرتبہ ۱۹۸۵ء اور ۱۹۹۱ء میں سینٹ کے رکن بھی رہے۔ آپ دفاع پاکستان کونسل کے چیئرمین بھی تھے۔ آپ سابق صدر جنرل محمد ضیاالحق کے قریب سمجھے جاتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی شہادت پر آپ کے صاحبزادے مولانا حامد الحق صاحب کا کہنا تھا کہ ہم نے پولیس اور سیکورٹی اداروں کو دھمکیوں کے حوالے سے آگاہ کر دیا تھا، جب کہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک میں بھی سیکورٹی سخت کر دی گئی تھی تاہم مولانا صاحب سیکورٹی کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے سفر میں ان کے ساتھ دوستوں کے علاوہ کوئی سیکورٹی اہلکار نہیں ہوتا تھا۔

واضح رہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب جمعہ کی صبح نوشہرہ سے راولپنڈی اور اسلام آباد کے سنگم پر واقع ایک ہاؤسنگ سوسائٹی میں آئے ہوئے تھے اور عصر کے بعد گھر میں آرام فرما رہے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کا پوسٹ مارٹم نہ کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ پوسٹ مارٹم اس لیے نہیں کیا کہ اس وقت سارے علماء اور مفتیان دارالعلوم حقانیہ میں بیٹھے تھے اور انہوں نے بتایا کہ یہ شرعی لحاظ سے جائز اور درست نہیں ہیں، قاتلوں نے جتنا شیخ الحدیث صاحب کو چھریوں اور خنجروں سے بے رحمی سے شدید زخمی کیا تو ہم مزید شیخ الحدیث صاحب کی روح اور جسم کو تکلیف نہیں دینا چاہتے اس لیے ہم نے پوسٹ مارٹم کی اجازت نہیں دی۔ پوسٹ مارٹم کے نتائج ویسے بھی کبھی سامنے نہیں آئے۔

انہوں نے بتایا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے مدارس دیوبند کا ایک عظیم نیٹ ورک قائم کیا، جہاں ہزاروں فرزندان قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے بلند کرتے ہیں۔ وہ ایک معتدل مزاج شخصیت کے حامل تھے۔ اُن کے منہ پر ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کی باتیں رہتی تھیں اور اپنی پوری حیات مبارکہ کو اسی پر خلوص اتحاد کے قیام کے لیے صَرف فرمایا وہ تمام اختلافات کو ختم کر کے امت مسلمہ کو ایک کرنا چاہتے تھے۔ آپ ہمیشہ مسکرا کر اختلافی رائے کو برداشت کرنے والے انسان تھے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سیاست و سماجی خدمات کے میدان میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے، اسی طرح حضرت کی علمی خدمات بھی امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم سرمایہ رکھتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عظیم مثالی تصنیف ''خطبات مشاہیر'' ہے، اور اسی طرح دوسری عظیم مثالی تصنیف جو مولانا نے اپنے ایک شاگرد کے ذریعے انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کی شائع کردہ کتاب کا اردو

ترجمہ ”جدید فقہی فیصلے“ کے نام سے شائع کروایا اور اس کا دیباچہ لکھا، جس میں اس کتاب کو تمام مدارس میں نصاب کے طور پر شامل کرنے پر زور دیا۔ اس کتاب میں جدید مسائل کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، مولانا کا دیباچہ ان کے خلوص اور اسلام سے ان کی گہری وابستگی کا آئینہ دار ہے۔

اس کے علاوہ اپنے والد ماجد کی نسبت سے ایک رسالہ ”الحق“ کے نام سے متعارف کروایا جو شہادت تک شیخ الحدیث کی زیر سرپرستی میں اپنے علم وادب کا شاہکار کے طور پر جانا جاتا ہے اور رہتی دنیا تک اس کا فیض عام وتام رہے گا، ان شاء اللہ۔

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم جب اپنے تعلیمی سفر کے دوران جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیر تعلیم تھے تو مولانا سمیع الحق صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لاتے تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے حضرت والا دامت برکاتہم ہی کے غرفہ میں قیام فرماتے، مولانا سمیع الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث کے ساتھ ساتھ دیگر فنی علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے بیک وقت آپ بہترین مفسر، محدث، ادیب اور مشفق استاد تھے آپ کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلاء صدیوں تک پورا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ان دینی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

بروزِ ہفتہ ۲۴/صفر الخیر ۱۴۴۰ھ کو مدیر جامعہ حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب مد ظلہم نے ملک کے معروف ومشہور مذہبی وسیاسی بزرگ شخصیت، مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، سربراہ جمعیت علماء اسلام (س)، چیئرمین دفاع پاکستان کونسل، اور لاکھوں علماء وطلباء کے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کے سانحہ شہادت پر افسوس کا اظہار فرمایا اور طلباء کرام میں تعزیتی بیان بھی فرمایا، جس میں شیخ الحدیث صاحب کی شہادت پر افسوس کا اظہار فرماتے ہوئے طلبائے کرام کو دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی ترغیب دی۔ بعدِ ازاں حضرت شیخ الحدیث نوّر اللہ مرقدہ کے بلندئ درجات کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے درجات کو بلند فرمائے، اور آپ کی شہادت کو درجۂ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب شہید کی نماز جنازہ ہفتہ ۳ نومبر ۲۰۱۸ء کی شام سہ پہر تین بجے لاکھوں سوگواران کی موجودگی میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ادا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کاملہ فرمائیں، جنت کے اعلیٰ درجات عطا فرمائیں اور ان کے لواحقین اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما کر ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

خزائن القرآن

سب سے بڑی نعمت ترکِ معصیت یعنی تقویٰ ہے۔ اس لیے اس نعمت پر شکر کرنا بھی سب سے زیادہ ضروری ہے کیوں کہ اس نعمت کے بغیر کوئی ولی اللہ نہیں بن سکتا، غیر متقی کو اللہ کی دوستی مل ہی نہیں سکتی، جب تقویٰ کا آغاز ہوتا ہے اسی وقت اللہ کی دوستی کا آغاز ہوتا ہے اور متقی کے معنی یہ نہیں ہے کہ اس سے کبھی گناہ ہی نہ ہو۔ متقی رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا باوضو رہنا۔ اگر وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کرلو۔ اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر کے پھر متقی بن جاؤ۔ اوّل تو کوشش کرنے سے ان شاء اللہ! گناہ بالکل چھوٹ جاتے ہیں، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ آجاتا ہے اس کو گناہوں سے شرم آتی ہے۔ میرا شعر ہے؎

جب تجلی اُن کی ہوتی ہے دلِ برباد میں
آرزوئے ماسوا سے خود ہی شرماتا ہے دل

لیکن اگر باوجود کوشش کے پھر گناہ ہو جائے تو توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْغِرْ

جب تک موت کا غرغرہ نہ شروع ہو جائے اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ بہر حال توبہ سے گناہوں کی معافی تو ہو جاتی ہے لیکن شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ گناہ کبھی نہ ہو اور طبیعت شریف بن جاتی ہے جب دل میں وہ حقیقی شریف یعنی اللہ آجاتا ہے، پھر غیر شریفانہ حرکت سے خود شرم آتی ہے۔ جب تک دل میں اللہ نہیں آتا یعنی جب تک اللہ تعالیٰ سے نسبتِ خاصہ حاصل نہیں ہوتی اس وقت تک گناہ کے تقاضوں سے آدمی مغلوب ہو جاتا ہے لیکن جب دردِ دل مستقل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے نسبتِ مستقل قائم ہو جاتی ہے، تعلق مع اللہ علیٰ سطح الولایۃ نصیب ہو جاتا ہے تو پھر آدمی گناہوں سے کانپتا رہتا ہے اور اس غم میں گھلتا رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے گناہ نہ ہو جائے۔ اس لیے نافرمانی سے سخت احتیاط کرو ورنہ یہ نفس کی زندگی کی علامت ہے، مولانا رومی فرماتے ہیں؎

تا ہویٰ تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہویٰ جز قفلِ آں دروازہ نیست

جب تک خواہشِ نفسانی گرم ہے اس وقت تک ایمان تازہ نہیں ہے کیوں کہ خواہشِ نفس اس بارگاہِ شاہی کے

دروازۂ قرب کے لیے تالا کا کام کرتی ہے۔ گناہ اللہ کے دروازۂ قرب پر تالا کا قائم مقام ہے اور اللہ کا تالا کون کھول سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے تالا پر بھلا تمہاری کنجی لگے گی؟ اللہ تعالیٰ کا تالا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کھلتا ہے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ اے اللہ! آپ کا تالا آپ کے ذکر ہی سے کھلتا ہے، جس کا تالا ہے اسی کے نام کی برکت سے کھلے گا، دنیا کی کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کا تالا نہیں کھول سکتی، یہ تالا ایسا ہے جس پر کوئی کنجی نہیں لگتی سوائے اللہ تعالیٰ کے نام کے اور جب تالا کھلتا ہے تب خزانہ نظر آتا ہے اور گناہ ذکر کی ضد ہے پس گناہ کے ساتھ دل کے تالے کیسے کھل سکتے ہیں لہٰذا گناہوں کو چھوڑو، اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تب یہ تالے کھلیں گے اور قرب کے خزانے ہی خزانے نظر آئیں گے۔

لہٰذا سب گناہوں کو جلد از جلد چھوڑ دو اور گناہ چھوڑ کر شکر بھی کرو لیکن پھر بھی اپنے کو پاک نہ سمجھو، اپنا تزکیہ کرانا، گناہوں سے پاک ہونا تو فرض ہے لیکن اپنے کو پاک سمجھنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم تمہیں خوب جانتے ہیں:

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ ۚ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی

جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے خون اور حیض میں لتھڑے ہوئے پھر ہمارے سامنے کیا پاک بنتے ہو، اپنے کو تم پاک اور مقدس نہ سمجھا کرو، ہم خوب جانتے ہیں کہ کون کتنا متقی ہے۔

یعنی کون متقی ہے اور کون نہیں، معلوم ہوا کہ پاک کردن ضروری، پاک گفتن حرام یعنی اپنے کو پاک کرنا واجب ہے لیکن خود کو پاک کہنا اور پاک سمجھنا حرام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حسن بھی ایک نعمت ہے۔ تو حسن کا شکریہ کیا ہے؟ سورۃ یوسف کی تفسیر میں دیکھیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بہت حسین تھے اس لیے تفسیر روح المعانی میں حسن کے شکر کا طریقہ لکھا ہے۔ کیا یہ شکر ہے کہ کاجل قلوپطرہ لگا کر اپنی چٹک مٹک دکھلاؤ؟ حسن کا شکریہ ہے کہ اپنے حسن کو کسی نافرمانی میں مبتلا نہ ہونے دے، اللہ پاک جس کو حسین پیدا کرے اس کا شکریہ ہے کہ حسن کے خالق کو ناراض نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا نہ ہو:

اَنْ لَّا یُشَوِّہَ حُسْنَہٗ فِیْ مَعَاصِی اللہِ تَعَالٰی شَانُہٗ

اپنی خوبصورتی کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں استعمال نہ کرے اور خوبصورتی ایک کلی مشکک ہے۔ کلی مشکک اس کلی کو کہتے ہیں جس میں بہت سے درجات ہوں جیسے کوئی زیادہ حسین ہے، کوئی اس سے کم ہے، کوئی اس سے کم ہے۔ پس جس درجہ میں بھی حسن ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرنا حسن کا شکر ہے، حدیثِ پاک کی دعا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ

اے اللہ! آپ نے مجھے حسین خلق فرمایا پس آپ کا احسانِ عظیم ہو گا کہ آپ میرے اخلاق کو بھی حسین کر دیجیے تاکہ اس نعمتِ حسن کو آپ کی معصیت میں استعمال کر کے اپنے اخلاق کو میں خراب نہ کروں۔ پھر اگر کوئی فاسق وفاجر اس نعمتِ حسن کو غلط استعمال کرتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کیوں کہ وہ تو پہلے ہی خدا سے دور ہے لیکن اگر کوئی اللہ والوں کا صحبت یافتہ مبتلائے معصیت ہو جائے تو آہ! کس قدر افسوس و تعجب کا مقام ہے۔

آہ! مقربِ حق ہو کر دوری کے عذاب میں مبتلا ہے اس لیے ہر گناہ سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہو اور کوشش کرو کہ ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ ہونے دو۔ گناہ سے بچنے کی طاقت موجود ہے۔ اگر طاقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ حکم نہ دیتے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ، اِتَّقُوا اللّٰهَ کا حکم اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہمیں طاقتِ تقویٰ دی ہے مگر ہم اسے استعمال نہیں کرتے۔ آنکھوں کو اجنبی عورتوں سے اور امردوں سے بچانا، کانوں کو ساز اور گانوں سے بچانا، ہونٹوں کو غلط کاموں سے بچانا، ہر اعضاء کے احکام ہیں اور سب کی طاقت اللہ تعالیٰ نے دی ہے لیکن نفس کی محبت ہم کو زیادہ ہے بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے، جب بھینس کو اپنے بچہ کی محبت زیادہ ہوتی ہے تو مالک کو دودھ پورا نہیں دیتی، چار پانچ کلو مالک کو دیتی ہے تو ایک کلو بچہ کے لیے بچا لیتی ہے اسی طرح نفس دشمن کو خوش کرنے کے لیے ہم طاقتِ تقویٰ کو بچا لیتے ہیں، طاقت کو پورا استعمال نہیں کرتے تاکہ نفس دشمن کو مزہ آجائے حالاں کہ نفس دشمن، بین الاقوامی دشمن سے بھی زیادہ قوی دشمن ہے اور بین الاقوامی بھی کوئی چیز نہیں۔ نفس کو خوش کرنے کے لیے بعض بے وقوف اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتے ہیں، اس لیے ہر گناہ سے استغفار و توبہ کرو اور ہر گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرو، جو ہمت اور طاقت اللہ تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی دی ہے اس ہمت اور طاقت کو پورا استعمال کرو۔ گناہ سے بچنے کے لیے تین ہمتوں کی ضرورت ہے۔

۱) ایک ہمت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو دی ہے اس کو استعمال کرو۔

۲) دوسرے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ اے خدا! جو ہمت تو نے تقویٰ کی دی ہے اس ہمت کو استعمال کرنے کی ہمیں توفیق دے دے۔

۳) تیسرے خاصانِ خدا سے دعا کراؤ کہ آپ خدا کے خاص بندے ہیں آپ میرے لیے دعا کر دیجیے کہ میں فلاں فلاں گناہ چھوڑ دوں۔

(جاری ہے)

خزائن الحدیث

حدیث نمبر ۵۸

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللہُ فِیْ مَنْ عِنْدَہٗ

ترجمہ: کوئی قوم بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتی، مگر یہ کہ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا ذکر کرتے ہیں فرشتوں کی جماعت میں، جو اس کے پاس ہوتی ہے۔

پہلی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاں کہیں کچھ اللہ کے بندے مل کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہاں فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، تو آپ سوچیے کہ ان کی ملاقات بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ تو فرشتوں کی ملاقات سے ہم پر اچھا اثر نہیں آئے گا؟ کیا وہ نیک صحبت نہیں ہے؟ لٰہذا ذکر کی مجلس میں شرکت کی کوشش کیجیے۔

عقل میں جو آجائے وہ خدا ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ عقل محدود ہے، محدود میں غیر محدود کیسے آئے گا؟ اگر کسی کے عقل میں آجائے کہ خدا یہ ہے تو ہرگز وہ خدا نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اللہ غیر محدود ہے، وہ محدود عقل میں کیسے آئے گا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ خبردار! مخلوق میں تو غور و فکر کرو مگر اللہ کی ذات میں مت سوچو، تمہاری قوتِ عقلیہ اور فکریہ محدود ہے۔ بھلا ایک گلاس میں مٹکے کا پانی آسکتا ہے اور مٹکے میں حوض اور حوض میں دریا آئے گا؟ دریا میں سمندر بھر سکتے ہو؟ جب چھوٹے محدود میں بڑا محدود نہیں آسکتا، تو محدود میں غیر محدود کیسے آئے گا؟ اللہ تعالیٰ کی ذات یاد کرنے کے لیے ہے۔ قرآن کریم میں یَذْکُرُوْنَ اللہَ فرمایا۔ اللہ کو یاد کرو، بس اس یاد سے وہ دل میں آجائیں گے، تمہیں خود پتا چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کیا ہیں۔ اور غور و فکر مخلوق میں کیا کرو۔ حضرت حکیم الامت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ فکر برائے مخلوق

ہے اور ذکر برائے خالق ہے۔ اگر اس کے خلاف چلو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، تو ذکر اللہ کا ایک فائدہ بیان ہو گیا، لہٰذا جب ذکر کی مجلس میں آئیں تو یہ نیت بھی کر لیں کہ چلو فرشتوں کی ملاقات بھی کر لیں۔

دوسری فضیلت

وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں اپنے یاد کرنے والوں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ کس طرح ڈھانپتے ہیں؟ دیکھیے اس جملے میں بڑا پیار ہے، اس کو محبت کے انداز میں سمجھیے۔ ماں جب اپنے بچے کو گود میں لیتی ہے تو کس طرح لیتی ہے؟ لے کر چپکا لیتی ہے، اس کے بعد دوپٹہ سے چھپا لیتی ہے پھر ٹھڈی بھی اس کے سر پر رکھ دیتی ہے۔ یہی مفہوم ہے غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ کا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے۔

نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سرم بر گردنم مانندِ طوق

اس کا نور ہمارے دائیں بائیں اور اوپر نیچے گھیر لیتا ہے۔ سر سے گردن ہر جگہ مانندِ طوق اپنی رحمت کے دامن میں چھپا لیتے ہیں۔ تو ذکر کی مجلس میں اس نیت سے آؤ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیں ڈھانپ لے اور پیار کر لے۔

تیسری فضیلت

وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ ہم ان کے دل پر سکینہ نازل کرتے ہیں۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں سکینہ کی تفسیر فرماتے ہیں فَاِنَّ السَّكِيْنَةَ هِيَ نُوْرٌ يَّسْتَقِرُّ فِي الْقَلْبِ سکینہ ایک نور ہے جو دل میں ٹھہر جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ بس مسجد میں تو اللہ والے ہیں اور جہاں مارکیٹ میں گئے مار پیٹ شروع کر دی۔ ہر جگہ وہ نور ساتھ ہوتا ہے۔ وَيَثْبُتُ بِهِ التَّوَجُّهُ اِلَى الْحَقِّ جس کو سکینہ کا نور ملتا ہے پھر وہ ہر وقت باخدا رہتا ہے۔ چاہے وہ دنیا کا بھی کام کر رہا ہو، لیکن وہ خدا کو فراموش نہیں کرتا۔

چوتھی فضیلت

وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ چوتھی فضیلت ذکر کرنے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے پاس والوں میں یاد کرتے ہیں۔ اگر تم ہم کو تنہا یاد کرو گے تو ہم بھی تنہائی میں تمہیں یاد کریں گے اور اگر تم مجمع میں یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بھی تم کو فرشتوں کے مجمع میں اور نبیوں کے مجمع میں یاد کریں گے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جن کی قبر جنت المعلیٰ میں ہے، اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حاضرین کی مجلس میں ان کا ذکر کرتے ہیں اور عِنْدَهٗ سے مراد ہے عِنْدَ اَرْوَاحِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عِنْدَ

اَلْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ عام مراد یہی ہے کہ فرشتوں کے مجمع میں ذکر کریں گے، مگر محدثِ عظیم ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے شرح فرمائی کہ پیغمبروں اور رسولوں کی روحوں کو بھی حاضر کر لیتے ہیں اور وہاں ذکر کرنے والوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق دیں، آمین۔

شرحِ حدیث بعنوانِ دگر

مسئلہ یاد کر لو کہ جب دین کی بات ہو رہی ہو تو نفل مت پڑھو، اجتماعی ثواب حاصل کرو، کیوں کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ دین کی کوئی بات سن لوگے تو ایک ہزار رکعت سے زیادہ ثواب نامہ اعمال میں چڑھ جائے گا۔ اس حدیث کے ساتھ بے پرواہی اور مذاق اور ناشکری مت کرو۔ اس فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکر یہ ہے کہ جب کوئی دینی اجتماع ہو تو نفل کے بجائے اس اجتماع میں شریک ہو جاؤ اور اس کے چار فائدے الگ مستزاد ملیں گے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے:

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللہَ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ

جب کوئی قوم اجتماعی ذکر میں مشغول رہتی ہے تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں یعنی فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

تو دائرۂ رحمت سے ایگزٹ (Exit) کیوں کر رہے ہو اور دائرۂ رحمت سے خروج کیوں کر رہے ہو؟ جس کے پاس حسنِ ظن سے آتے ہو اس کی بات ماننا چاہیے اور تیسرا فائدہ ہے وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ اس اجتماع کی برکت سے ان کے قلب پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اور جب سکینہ نازل ہوگا تو ہر وقت اللہ کی طرف آپ کا قلب متوجہ رہے گا، کیوں کہ اِنَّ السَّکِیْنَۃَ ھِیَ نُوْرٌ یَّثْبُتُ بِہِ التَّوَجُّہُ اِلَی الْحَقِّ وَ یَتَخَلَّصُ عَنِ الطَّیْشِ جس کے دل پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اس کی توجہ اللہ کی طرف قائم رہتی ہے اور وہ انتشارِ ذہنی اور ڈیپریشن سے بلا آپریشن محفوظ رہتا ہے ان شاء اللہ۔ اور چوتھا فائدہ ہے وَذَکَرَھُمُ اللہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں کے سامنے یعنی ملائکہ مقربین اور ارواحِ انبیاء والمرسلین کے سامنے ان بندوں کا تذکرہ بطورِ افتخار کے فرماتے ہیں۔ ملّا علی قاری کی شرح مرقاۃ کی عبارت یہ ہے اَیْ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَاَرْوَاحِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اسی حدیث سے اجتماعی ذکر کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التشرّف بمعرفۃ احادیث التصوّف میں لکھا ہے۔ میں نے التشرف کے اس صفحہ کا فوٹو لیا اور اپنے شیخ کو دکھایا تو حضرت نے ہر دوئی میں فوراً اجتماعی ذکر شروع کروا دیا۔ (جاری ہے)

پامال نہ ہو گا کبھی گلزارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انکار ہے اللہ کا انکارِ محمدؐ
اللہ کا اقرار ہے اقرارِ محمدؐ

گر دیدۂ بینا ہو عطا، تو نظر آئے
انوارِ الٰہی سے ہیں انوارِ محمدؐ

سرکارِ دو عالم کی جو سُنّت پہ فدا ہیں
بس ان کو نظر آئیں گے انوارِ محمدؐ

ہے سُنّتِ نبوی سے نہیں جن کو سروکار
ان پر نہ کھلیں گے کبھی اسرارِ محمدؐ

کیا پُوچھنا اُس کا وہ سعیدِ ازلی ہے
ہو جائے جِسے خواب میں دیدارِ محمدؐ

غم مُجھ کو نہیں لاکھ زمانہ ہو مخالف
پامال نہ ہو گا کبھی گلزارِ محمدؐ

ملفوظات

تقویٰ زائد دنیاوی سامان سے توحش

فرمایا کہ آج ایک استفتاء آیا ہے ایک طالب علم ہیں دیو بند میں، تھوڑی عمر ہے مگر بہت پاک صاف طبیعت ہے، انہوں نے ایک واقعہ کے متعلق استفتاء کیا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے والد اور والدہ کا تو انتقال ہو چکا، والد کی جائیداد معقول ہے وہ ان کو پہنچی، اب ان کو خیال ہوا کہ والد صاحب کے ذمہ دَین مہر ہے اور جائیداد ان کی مجھ کو پہنچی تو جس قدر دیون ہیں وہ اس ترکہ سے متعلق ہیں جس کو میں لیے بیٹھا ہوں، گو دنیا کے قانون سے ان کے ذمہ اب مہر کا مطالبہ نہیں رہا مگر دین کے قانون سے وہ اپنے ذمہ سمجھتے ہیں اس کے متعلق تحقیق کی ہے ایسی باتوں سے جی خوش ہوتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ سب مسلمانوں کو ادائے حقوق کی فکر ہونی چاہیے اگر یہ باتیں مسلمانوں میں پیدا ہو جائیں تو ان کو کوئی پریشانی نہ رہے، یہ سب پریشانیاں دِین کے خلاف کرنے سے پہنچ رہی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے خلاف کرنے سے خدا ناراض ہوتا ہے اس ناراضی پر یہ سب وبال نحوست پیدا ہوتی ہیں۔ اس بلا میں ہم بھی مبتلا ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک روز بیٹھے ہوئے اچانک یہ خیال قلب میں پیدا ہوا کہ والد صاحب مرحوم نے چار شادیاں کیں تو چار دَین مہر کے والد صاحب قرض دار ہوئے اور اس قرض کا ادا یا اس سے ابراء مشکوک ہے جس کا کچھ پتہ نہیں اور والد صاحب مرحوم نے کافی ترکہ چھوڑا تو وہ دیون ترکہ سے متعلق ہو گئے اور اس ترکہ سے من جملہ اور بھائیوں کے مجھ کو بھی حصہ پہنچا تو اسی نسبت سے دین میرے ذمہ بھی ہو گیا۔ گو اس زمانہ میں معافی مہر کی رسم غالب عام تھی اس لیے مجھ کو تردد ہوا مگر صاحب غرض ہونے کی وجہ سے اپنی رائے پر وثوق نہیں کیا بلکہ چند علماء سے تحریری بھی اور زبانی بھی استفتاء کیا جس کے جواب میں علماء کے مختلف جوابات آئے مگر یہی طے کیا کہ شبہ کی حالت میں دوسروں کا حق دے دینا تو چاہیے اپنا لینا نہیں چاہیے، اگر اپنا حق ہو بھی تو معاف کر دینا چاہیے اس لیے میں نے ایک عالم سے فرائض نکلوا کر اور حساب لگا کر اس قدر رقم کو اپنے قلب سے جدا ہی کر دیا جس قدر کہ میرے ذمہ بیٹھی۔ اگر حاجت سے زائد ذخیرہ رکھنے کی عادت اور اس سے دلچسپی ہوتی تو شاید قلب میں اس

قدر رقم کے جدا ہونے سے خیال بھی پیدا ہوتا مگر الحمد للہ کبھی اپنی عمر میں ایسا ذخیرہ جمع کرکے رکھنے کی عادت ہی نہیں ہوئی، زیادہ سامان بھی اگر ضرورت سے زائد گھر میں دیکھتا ہوں تو قلب میں ایک وحشت ہوتی ہے، بعض پیروں کی حکایتیں سنی ہیں کہ جو آتا رہتا ہے سب جمع کرتے رہتے ہیں اور باقاعدہ اس سامان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مثلاً برسات گزر جانے پر دھوپ میں سکھانا، اہتمام کرنا خدا معلوم کیسے قلوب ہیں کہ بکھیڑوں سے نہیں گھبراتے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۲/ ۱۷۱)

موروثی پیر اور حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جہل سے بھی خدا ہی بچائے، بہت ہی بری چیز ہے اور ان جاہل پیروں کی بدولت طریق تصوف کی تو وہ گت بنی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ ایک گاؤں کے کچھ گُجر لوگ حضرت مولانا رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے، کچھ روز کے بعد اس گاؤں کا موروثی پیر آیا اس نے سنا کہ فلاں فلاں لوگ مولانا سے بیعت ہوگئے ہیں، بھڑک اٹھا اور کہنے لگا: ارے بیوقوفو! رانگھڑ راجپوت بھی کہیں بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک گاؤں والا بولا، تھا ہوشیار، اجی! یہ تو تم ہی جانتے ہوگے مگر ایک بات کی تو ہمیں بھی خبر ہے، مولانا نے یہ کہہ دیا ہے کہ اپنے پرانے پیر کے بھی حق حقوق دیتے رہنا تو فوراً کہتا ہے کہ خیر کچھ ڈر نہیں، ان سے مرید ہوگئے وہ بھی بزرگ آدمی ہیں، اچھے آدمی ہیں یہ پیر رہ گئے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ہماری آمدنی میں فرق آئے تو نہ وہ بزرگ، نہ عالم، نہ نیک اور اگر آمدنی میں فرق نہ آئے تو پھر وہ سب کچھ ہیں ان ظالموں نے گمراہ کردیا مخلوق کو۔

(ملفوظات حکیم الامت:۲/ ۱۷۸)

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا حلم

ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا کہ حضرت رائے پوری تو اس قدر حلیم اور کریم تھے کہ کسی شخص نے دوا دی، لے لی، کھالی۔ اب اس سے تکلیف ہو رہی ہے مگر جب وہ شخص پوچھتا ہے کہ حضرت! کیا اثر ہوا؟ فرماتے ہیں کہ نفع ہوا۔ یہ تو ان کی شان تھی اور ایک میں ہوں کہ لوگ محبت کی وجہ سے نسخہ بتلاتے ہیں، حتیٰ کہ طبیب تک آتے ہیں، وہ تجویز کرتے ہیں مگر میں صاف کہتا ہوں کہ میرے معالج فلاں حکیم صاحب ہیں ان کو مشورہ دو، وہ مجھ سے کہہ دیں میں براہ راست کسی کی بتلائی کوئی دوا استعمال نہ کروں گا۔

(ملفوظات حکیم الامت:۲/ ۱۷۹)

ملفوظات

اس باب میں تین فصلیں ہیں، پہلی فصل: آیات کے بیان میں

پہلی آیت

تبلیغ سے اچھی کوئی اور بات ہے ہی نہیں:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور (اظہارِ اطاعت کے لیے) کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

(یعنی بندگی کو فخر سمجھے متکبرین کی طرح عار نہ کرے)

فائدہ: جس کی تعریف اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں فرمادیں اس کے عالی مرتبہ ہونے کا اندازہ کون کرسکتا ہے! ہمارا کام یہ ہے کہ ایسا بننے کی کوشش کریں (اس کے لیے ملاحظہ ہو اشرف النظام، اشرف الخطاب)

دوسری آیت

امر بالمعروف و نہی عن المنکر و عملِ صالح سببِ رحمت ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا (جس کی تفصیل ”وعداللہ“ میں عن قریب آتی ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے (جزائے تام دے سکتا ہے) حکمت والا ہے (جزائے مناسب دیتا ہے،

اب اس رحمت کا بیان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور نفیس مکانوں کا (وعدہ کر رکھا ہے) جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی (جو اہلِ جنت سے ہمیشہ ہمیشہ رہے گی ان) سب (نعمتوں) سے بڑی چیز ہے یہ (جزائے مذکور) بڑی کامیابی ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کسے حاجت و طلب نہیں؟ ان آیات میں رحمت حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے، جس کا خلاصہ اوپر درج ہے، جس کے لیے بس ہمت کی ضرورت ہے۔ ہمت کیجیے اور رحمت لیجیے۔

دوسری فصل: احادیث کے بیان میں

پہلی حدیث

جو شخص اچھا طریقہ ڈال جائے گا اس کو ہمیشہ ثواب ملتا رہے گا اور جو بُرا ڈالے گا اس کو ہمیشہ گناہ ہوگا:

عَنْ جَرِيْرٍ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهَا وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

حضورِ اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ بنا جائے گا اس کو اس کا بھی ثواب ملے گا اور ان کا ثواب بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں سے کچھ کم کیا جائے، اور جو شخص اسلام میں کوئی بُرا طریقہ بنا جائے گا اس پر اس کا بھی گناہ ہوگا اور ان کا گناہ بھی جو اس پر اس کے بعد عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص کسی کی سعی و کوشش سے نمازی بن گیا تو جتنا اجر و ثواب نمازی کو ملے گا اتنا ہر روز اس کوشش کرنے والے کو ملتا رہے گا۔ اسی طرح اور نیک اعمال کو قیاس کر لیجیے۔

فائدہ: امرِ اوّل و دوم کو مکرّر ملاحظہ کر لیجیے۔

دوسری حدیث

دین کا کام کرنے والے کی برکت سے اعزہ کو بھی رزق ملتا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ: كَانَ اِخْوَانٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا يَحْتَرِفُ وَ

اَلْاٰخَرُ یَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیَتَعَلَّمُ مِنْہُ، فَشَکَی الْمُحْتَرِفُ اَخَاہُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَعَلَّکَ بِہٖ تُرْزَقُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے، ایک تو کوئی پیشہ کرتا تھا اور دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا اور دین سیکھتا تھا، پیشہ والے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شاید تم بھی اسی کی وجہ سے رزق دیے جاتے ہو۔

فائدہ: اس کی توضیح ایک مثال سے عرض کرتا ہوں: ایک فوجی سپاہی جس کے بھائی کو اس کے طفیل میں ٹھیکہ مل گیا فوجی حلقے کے کام کا، جس سے ہزار روپیہ کی آمدنی ہونے لگی۔ یہ فوجی سپاہی کا بھائی فوجی سپاہی کے اہل وعیال کی دیکھ بھال بھی کرتا رہتا تھا۔ اس کے بھائی نے فوجی افسر سے شکایت کی کہ یہ میرا بھائی گھر کی دیکھ بھال نہیں کرتا ہے، متفرق بوجھ اٹھانے پڑتے ہیں تو اس کا افسر بھی کہے گا کہ میاں! تم کو جو کچھ مل رہا ہے یہ سب اس سپاہی کے طفیل میں ہے، اس لیے کہ تم اس کے عزیزوں میں سے ہو لہٰذا تم اس کے رہینِ منّت ہو۔ اسی طرح جن لوگوں کے اعزہ خدمت دین میں مشغول ہوں اور ان کو وسعتِ مالی ہو تو اپنے اعزہ کی خدمت اور ان کے اہل وعیال کے ضروریات کا انتظام کرنا چاہیے کہ اس نعمت کا شکر یہی ہے، اور اس کو دینی عزیز کا طفیل سمجھیں۔ آج کل ہم لوگ اس راز سے ناواقفیت کی وجہ سے ایسے لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ ہماری غلطی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ پردۂ شرعی آج کل صلحاء کے گھرانے میں بھی نہیں ہے (الّا ماشاء اللہ! بعض خاص خاص گھرانے) مثلاً چچی اور ممانی اور تایا امّی سے پردہ کرنا چاہیے، اسی طرح پھوپھی زاد، خالہ زاد، چچازاد بہنوں سے پردہ واجب ہے، اور اسی طرح وہ بوڑھی عورت جس کا چہرہ دیکھنے میں گنجایش ہے مگر اس کے بالوں کا دیکھنا اس وقت بھی حرام ہے۔ چھوٹا ملازم بچہ جوان ہو گیا اب پردہ واجب ہو گیا۔ گھروں میں کہتی ہیں یہ تو میرے سامنے کل بچہ تھا اس سے کیا پردہ؟ یہ تو بچپن سے ہمیں دیکھتا تھا۔ یہ کیا نادانی ہے۔ علمائے کرام سے احکام معلوم کریں۔

ارشاد فرمایا کہ حضرتِ اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو اہلِ محبت کی جتنی قدر ہوتی ہے اتنی اہلِ عقیدت کی نہیں ہوتی کیوں کہ اہلِ محبت ہماری کوتاہیاں دیکھ کر ہماری اصلاح کی دُعا کریں گے اور اہلِ عقیدت بھاگ نکلیں گے۔

(مجالسِ ابرار: ۳۹/۴۰)

ملفوظات

ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ کو غصے کی بیماری تھی۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ تم لکھنؤ میں رہتے ہو، وہاں مولوی محمد حسن کاکوری ہیں، انوار بک ڈپو ان کا کتب خانہ ہے، وہاں جاکے ان کے پاس بیٹھ جایا کرو۔ وہ جاکر روزانہ وہاں بیٹھنے لگے۔ انوار بک ڈپو لکھنؤ غالباً مینا بازار میں ہے۔ ایک مہینے کے بعد ان کا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ تب انہوں نے حکیم الامت کو لکھا کہ مولوی محمد حسن کاکوری تو دکان پر کتابوں کے پارسل کے بنڈل باندھتے رہتے تھے مگر کبھی غصے پر کوئی تقریر نہیں کی، نہ میں نے ان کو بتایا، پھر میرا غصہ کیسے اچھا ہو گیا؟ تو حضرت نے جواب لکھا کہ چوں کہ مولوی محمد حسن کاکوری ٹھنڈے مزاج کے ہیں، ان میں حلم بہت ہے، ان میں برداشت کی طاقت بہت ہے تو ان کی جو اندرونی برداشت کی صفت تھی، ان کے ساتھ بیٹھنے سے، ان کے ساتھ رہنے سہنے سے وہ برداشت والی صفت آپ کے اندر منتقل ہوگئی مگر آپ کی غصے والی صفت اُدھر منتقل نہیں ہوئی۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اصلاحِ نفس کے لیے جو قدم اُٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہیں اور تمہاری بُری عادت کو منتقل کرنے میں اللہ کی مدد نہیں تھی، اچھی عادت کے منتقل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوتی ہے۔ ورنہ تو خانقاہوں میں اگر چور اصلاح کرانے آئے اور اس کی چوری کی صفت پیر صاحب میں منتقل ہو جائے تو پتا چلا کہ پیر صاحب بھی چوری کرنے لگیں۔ اس لیے خانقاہوں میں جو بُرے لوگ آتے ہیں وہ اچھے ہو جاتے ہیں اور خانقاہ کا پیر وہیں کا وہیں رہتا ہے بلکہ اللہ کے راستے میں وہ ترقی کرتا رہتا ہے۔

لہٰذا میں بھی غصے کا علاج یہ بتارہا ہوں کہ جو قریب میں، پڑوس میں، خانقاہوں میں بہت ہی ٹھنڈے مزاج والا ہو اس کے پاس بیٹھو، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے مزاج میں بھی ٹھنڈک آجائے گی۔ اگر کبھی غصے کی وجہ سے دل میں آگ لگ جائے اور منہ سے اول فول نکلنے لگے تو فوراً اللہ کے خوف سے منہ کو باندھو اس اُمید پر کہ آج ہم سامنے والے کو معاف کرتے ہیں، کل اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دیں گے۔

ارشاد فرمایا کہ قرآن پاک میں ہے عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ تو قرآن پاک کی تعلیم کے لیے اپنا نام رحمٰن نازل فرمایا۔ شانِ رحمن نازل فرما کر قیامت تک کے قرآن پاک کی تعلیم دینے والوں کو اللہ نے ہدایت

ماہنامہ الابرار کراچی ربیع الاول ۱۴۴۰ھ نومبر ۲۰۱۸ء

کردی کہ میں اپنا نام ''رحمٰن'' نازل کررہاہوں، ننانوے میں سے اَٹھانوے نام چھوڑ کر ''رحمٰن'' کیوں نازل کررہاہوں؟ تاکہ بچوں کو جب پڑھاؤ توشانِ رحمت غالب ہو۔ ان کی ہڈی مت توڑو، قصائیوں کی طرح مت پڑھاؤ۔ یہ تقریر میرے مرشد شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے کہ بچوں کے استاد اس قدر مارتے ہیں کہ وہ بچہ خود بھی وہاں سے بھاگتاہے اور دسیوں کو بھگاتاہے کہ مدرسوں میں مت جانا، وہاں قصائی بیٹھے ہوئے ہیں، دیکھو اسکولوں میں ٹافی مل رہی ہے، چائے مل رہی ہے، بسکٹ کھلارہے ہیں، اور یہ ڈنڈے لگارہے ہیں۔

لاہور میں استاد نے غصہ میں ایک بچے کو مارا، اُسی وقت اُس کا ہارٹ فیل ہوگیا، پورا مدرسہ بند ہوگیا، سارے گاؤں والوں نے کہا کہ ان خبیثوں سے اپنے بچوں کو نہیں پڑھوائیں گے۔ تمہاری مار کی وجہ سے ایک بچہ بھی اگر مدرسہ سے بھاگا تو یاد رکھو قیامت کے دن اس استاد سے مواخذہ ہوگا۔ سب ثواب تمہارا ختم ہوجائے گا بلکہ اُلٹا کیس چلے گا، اس کے لیے مہتمم صاحبان اور بزرگانِ دین سے مشورہ کرتے رہو۔

میرے شیخ مرشد مولانا شاہ ابرارالحق صاحب فرماتے ہیں کہ بچے کو کھڑا کردو، چھٹی ہوجائے تو دس منٹ تم بھی بیٹھ جاؤ، باقی سب بچے جب چلے جائیں گے اور دو تین بچے سبق نہ سنانے والے رہ جائیں گے تو یہ سزا ان کے لیے کافی ہے، مگر مرغامت بناؤ، بچے کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں، چہرہ لال ہورہاہے اور یہ قصائی بیٹھے دیکھ رہے ہیں، ہنس رہے ہیں۔ کیا کہوں دل چاہتاہے کہ ان لوگوں کو کون سا وظیفہ تعویذ گھول کے پلادوں کہ ان کے دل میں رحم آجائے۔ اُن کے بچے کو اگر اس طرح سے کیا جائے پھر دیکھو کیا ہوتاہے۔ اکثر قاری حضرات کی شادی نہیں ہوتی اور بال بچے دار نہیں ہوتے۔ یاد رکھو! ہر بچے کو اپنا بچہ سمجھو، مرغامت بناؤ، یہ تمہارے پاس جانور بننے کے لیے نہیں آئے ہیں، اچھا انسان اور اچھا مسلمان بننے کے لیے آئے ہیں۔ بس ان کے لیے یہی دو سزائیں کافی ہیں یعنی کھڑا کردو اور چھٹی ذرا دیر سے کردو، سبق کے لیے مہتمم سے مشورہ کرو، ماں باپ کو بھی بلاکر اطلاع کرو کہ بھئی! یہ سبق یاد نہیں کرتا۔

محمود آباد میں ایک لڑکا پڑھ رہاتھا، استاد نے کہیں اُسے مارا، پھر ماں باپ نے مارا۔ وہ گھر سے بھاگ گیا۔ اب والدین تعویذیں دبارہے ہیں۔ کیوں اتنامارتے ہو کہ تعویذ مانگنا پڑے؟ پھر وہ تلاش کرنے پر ملتان سے پکڑا گیا اور واپس آیا۔ تو اس مار پیٹ کا بہت بُرا نتیجہ نکلتاہے۔ ان نالائقوں کی وجہ سے کتنے لوگ اپنے بچوں کو مدرسے سے اُٹھالیتے ہیں۔ تمہارے اختیار میں انہیں پیار و محبت سے حافظ بناناہے، مار پیٹ سے نہیں، کیوں کہ جس کی قسمت میں ہوگا وہ ضرور حافظ بن جائے گا۔

مجالس تقویٰ کے ثمرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

جب کوئی کسی کے لیے خیر کے کلمات کہے تو جس کے لیے یہ کلمات کہے جارہے ہیں اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے کہ اے اللہ! مجھے اس کے حسن ظن کے مطابق بنادے۔ حضرت والد ماجد مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں جب کوئی اشعار پڑھتا تو آپ کے ہونٹ ہلتے رہتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ ابا! یہ آپ کے ہونٹ ہلتے ہیں، کچھ پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں بیٹا میں کہتا ہوں کہ اے اللہ! مجھے اس کے حسن ظن کے مطابق بنادے۔ دارالعلوم زکریا میں مفتی رضاء الحق صاحب جو وہاں کے مفتی اعظم ہیں انہوں نے والد صاحب کی شان میں بہت ہی عجیب وغریب اشعار لکھے۔ وہ پڑھ رہے تھے اور تشریح خود والد صاحب کر رہے تھے۔ تشریح سن کر وہ خود بہت حیران تھے کہ حضرت! یہاں تک تو میرا ذہن بھی نہیں گیا تھا۔ مگر والد صاحب ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جارہے تھے کہ اللہ ان کے حسنِ ظن کے مطابق مجھے بنادے۔

پھر دورانِ اشعار یہ مصرع آیا۔ درد دل ہو، درد دل ہو درد دل۔ تو والد صاحب نے کہا کہ اللہ ہم سب کو درد دل عطا فرمائے۔ یہ وہ درددل نہیں ہے جو ہسپتالوں میں پہنچائے، بلکہ یہ درد دل جس کو نصیب ہو جاتا ہے تو ہزاروں دل کے مریضوں کو ہسپتال سے نکال کر باہر لے آتا ہے۔ یہ درددل قسمت والوں کو ملتا ہے، اسی لیے اللہ والوں کو اہل دل کہا جاتا ہے ورنہ دل تو جانوروں کے پاس بھی ہے، ابھی قربانی کا زمانہ گزرا ہے ہزاروں لاکھوں جانور ذبح ہوئے، لیکن کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ سب قصائی ادب سے کھڑے ہو گئے ہوں کہ یہ جو بیل آرہا ہے یہ صاحب دل ہے، ذرا اس کا اکرام واحترام کرو۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اشرف المخلوقات کو یہ شرف بخشا ہے کہ جب وہ اہل دل بن جاتا ہے تو ہزاروں دل کے مریضوں کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صاحب دل بنادے۔

آج کا یہ اجتماع پچھلے تمام اجتماعوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتنا فضل فرمایا کہ مسجد کی چاروں منزلیں بھر جانے کے بعد سڑک پر چٹائیاں بچھائی گئیں اور وہاں بھی نمازیں ہو رہی ہیں۔ یہ سب حضرت والد صاحب مرحوم کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔ آپ ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے خدا! اس خانقاہ کو تا قیامت قائم و دائم رکھ، اور ذاکرین اور شاغلین سے اس کو آباد رکھ۔ کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتے تھے ؎

جان کر مِن جملۂ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ہم سے والد صاحب کی قدر نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ بتایئے جو ایک سیکنڈ کے لیے، ایک لمحے کے لیے اللہ سے غافل نہ ہوتا ہو، پچھلے زمانہ کے لوگوں کے بارے میں کتابوں میں پڑھا تھا لیکن حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ کو زندگی میں دیکھا، ان کو نہیں پتہ ہوتا تھا کہ کون ملک کا سربراہ ہے، کون وزیر اعظم ہے، کون کیا ہے۔ ایک لیفٹننٹ جنرل آئے اور بتایا کہ میں لیفٹننٹ جنرل ہوں تو والد صاحب نے ان کے لیے دعا کردی۔ بعد میں مجھ سے پوچھا کہ یہ کس چیز کی دکان میں کام کرتے ہیں، ان کی کس چیز کی دکان ہے؟ تو اتنے سادہ تھے کہ ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے سوائے اللہ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اللہ تعالیٰ ان کے صدقہ و طفیل میں ہم سب کو جذب فرما کر اپنا مقبول اور اپنا محبوب بنالے، پورے مجمع میں کسی ایک کو بھی اللہ تعالیٰ محروم نہ فرمائے خواہ وہ کسی نیت سے بھی آیا ہو لیکن اللہ تعالیٰ تو کریم ہے۔ اور کریم کی تعریف ہے اَلَّذِیْ یُعْطِیْ بِغَیْرِ اِسْتِحْقَاقٍ وَبِدُوْنِ الْمِنَّۃِ جو بغیر استحقاق کے سب کچھ عطا فرمادے تو مولائے کریم دیکھ رہا ہے کہ میرے ایک محبوب بندے کی جگہ پر اتنے لوگ جمع ہوئے ہیں، یہاں کے در و دیوار میں حضرت والد صاحب کے آہ و نالے جذب ہیں۔

حضرت مولانا طلحہ صاحب جو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے صاحبزادے ہیں جب یہاں تشریف لائے تو بہت بڑا اجتماع تھا، خانقاہ بھر گئی تھی، باہر تک لوگ کھڑے تھے۔ میں نے ان سے کہا: جامعہ تشریف لے چلیے، جامعہ دیکھ لیجیے۔ فرمایا کہ حضرت کا قیام کہاں تھا؟ میں نے کہا: خانقاہ میں۔ فرمایا: بس وہیں جاؤں گا۔ مجھے جو بھی ملنا چاہے وہیں ملے۔ آپ بتایئے کہ کتنی بڑی شخصیت ہیں حضرت مولانا طلحہ صاحب، حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ بیان نہیں فرماتے تھے لیکن لاکھوں کروڑوں انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے، جو ایک نظر آپ کو دیکھ لیتا تھا وہ بھی محروم نہیں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ فیصل آباد میں مفتی زین العابدین صاحب کے ساتھ اعتکاف کرنا تھا تو کراچی سے پوری ٹرین بک کرائی گئی، گرمی شدید تھی، جون جولائی کا مہینہ تھا، ہر ڈبے میں برف کی سِلیں رکھوادی گئیں، چار چار، پانچ پانچ سِلوں میں سے ٹھنڈک نکلی تو ڈبہ

ٹھنڈا ہو گیا۔ جب مفتی زین العابدین صاحب اندر داخل ہوئے تو پوچھا: بھئی! ماحول کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت! بہت شدید گرم تھا اب ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ پوچھا: کیا برف نے ٹھنڈک پر کوئی تقریر کی؟ کہا: نہیں! کوئی تقریر نہیں کی۔ اس پر فرمایا کہ برف کی خاصیت ہے کہ جو اس کے پاس بیٹھے گا ٹھنڈک خود بخود اس کو پہنچے گی۔

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ تیرہ سال علیل رہے۔ لوگ دور دور سے آپ کو صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ ایک صاحب امریکہ سے آئے اور کہا کہ میں تو تقریباً پاگل ہو گیا تھا، عجیب کیفیت تھی، ٹینشن کا مریض ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ رات کو الماری کی صفائی شروع کی، اس میں سے دو کتابیں نکل آئیں، استغفار کے ثمرات اور فضائل توبہ، میں نے ان کا مطالعہ شروع کیا تو ساری رات روتا رہا، میری بیوی پریشان تھی کہ پتا نہیں کیا ہو گیا۔ جب فجر کی اذان ہوئی تو میں مسجد چلا گیا۔ اس پر وہ اور پریشان ہوئی کہ خیریت ہے؟ کہاں گئے؟ میں نے کہا کہ اس کتاب نے میری زندگی بدل دی ہے۔ پھر وہ صاحب حضرت والد صاحب کو ایک نظر دیکھنے کے لیے یہاں آئے کہ میں اپنے اس محسن کو دیکھ لوں جس کی کتاب سے میرے دل میں اللہ کی محبت کی آگ لگ گئی۔ جب ان کی والد صاحب سے ملاقات ہوئی تو کچھ دیر غور سے دیکھتے رہے پھر باہر آ کے ہچکیاں مار مار کے بہت دیر تک روتے رہے اور کہا کہ آج ہی رات کو میری واپسی کی فلائٹ ہے، مجھے واپس جانا ہے، لیکن اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ میں نے اپنے محسن کو دیکھ لیا۔

پوری کائنات پہ سب سے زیادہ احسان سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جن کے احسان کا بدلہ کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین، غرض ہمارے جتنے مشائخ ہیں خصوصاً حکیم الامت مجدد زمانہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے سلسلے کی کڑی ہے، پوری دنیا میں کہیں بھی چلے جاؤ، حضرت تھانوی کی کتابیں ملتی ہیں، حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے ان کتابوں کی تسہیل کر دی ہے، انہیں اتنا آسان کر دیا ہے کہ ہر آدمی سمجھ جاتا ہے۔ حضرت والد صاحب کی کتابیں بھی دنیا میں جہاں جایئے پہاڑیوں پر یا بحری جہازوں کے کیپٹن کے کمرے میں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک بحری جہاز کے کیپٹن کہتے ہیں کہ سفر میں جب ہم فارغ رہتے ہیں تو ان کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ نے لاکھوں انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ حضرت والد صاحب کی کتابوں کو بنایا ہے۔ حضرت کے قائم کردہ نشرواشاعت کے اس شعبہ سے الحمد للہ بہت کام ہو رہا ہے۔ خانقاہ سے روزانہ سینکڑوں کتابیں مفت تقسیم ہوتی ہیں۔ حالاں کہ بہت سی کتابیں چار سو پانچ سو روپیہ کی بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام فرماتے ہیں۔ حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ اسی طرح ترغیب دیا کرتے تھے کہ جس کو اپنی کرنسی آخرت میں ٹرانسفر کرانی ہو وہ ان دینی کتابوں کی نشرواشاعت میں حصہ لے تاکہ یہ ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بن جائے۔ (جاری ہے)

ذکرِ رفتگاں

(گزشتہ سے پیوستہ)

حکایت

ایک رئیس بزرگ کی حکایت ہے کہ ان سے ایک صاحب مرید ہونے گئے دیکھا تو نوکر، چاکر اور کوٹھی کھڑی ہے اور گھوڑے بندھے ہیں، لوٹ آئے اور دل میں کہا کہ

نہ مرد آنست کہ دنیا دوست دارد

ترجمہ: مردِ خدا وہ نہیں ہو سکتا جو دنیا دار ہو۔

رات خواب دیکھا کہ محشر قائم ہے ایک شخص میدانِ قیامت میں اس کو پکڑے ہوئے ہے اور کہتا ہے میرا قرضہ ادا کرو، پھر ان ہی بزرگ کو دیکھا کہ شان دار گھوڑے پر چلے آرہے ہیں اور ڈانٹ کر فرمایا کہ کیوں اس فقیر کو تنگ کرتے ہو تیرا کتنا قرض ہے لے مجھ سے لے لے بس ایک تھیلی بقدر قرض پیش کر دیا اور آگے چل دیے۔ خواب سے بیدار ہوئے تو نادم تھے۔ اُن بزرگ کی خدمت میں پھر گئے کہ حضرت! مرید کر لیجیے۔ فرمایا کہ کل جاتے وقت کیا مصرعہ پڑھا تھا؟ عرض کیا: اس سے شرم آتی ہے۔ فرمایا کہ نہیں! پڑھو، مت ڈرو۔ ندامت کے ساتھ پڑھا

نہ مرد آنست کہ دنیا دوست دارد

فرمایا اس مصرعہ کے نیچے یہ مصرعہ لگادو

اگر دارد برائے دوست دارد

یعنی اللہ والے اگر دنیا رکھتے ہیں تو اپنے مولیٰ کے لیے رکھتے ہیں۔

مگر ہر دنیادار کا یہ مقام نہیں ہوتا، دنیا سانپ ہے اس کا منتر تقویٰ ہے جو اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ والا بننے میں دو نفع دنیا میں ملتے ہیں: ایک تو قلب کو سکون و اطمینان رہتا ہے دوسرے یہ کہ اس کے لیے اس کی دنیا کو لذیذ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ والوں کو کھانے پینے اور بال بچوں میں

رہنے اور اپنی تمام نعمتوں میں دنیاداروں سے زیادہ لذت ملتی ہے۔ بدحواس اور متفکر دل کے ساتھ دنیا کیسے لذیذ رہ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں کو اپنی چٹنی روٹی میں جو لطف ملتا ہے لباسِ فاخرانہ اور زبان پر مرغ کی بریانی اور دل پر افکار کے آرے اور ہتھوڑے یہ کیا زندگی ہے۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ والوں کی صحبت میں تو علماء کو بھی درسیات سے فارغ ہوکر کم از کم ۶/ ماہ کی مدت رہ کر ان کی جوتیاں اٹھانی چاہئیں تاکہ ان کی صحبت اور خدمت کی برکت سے اخلاص حاصل ہو اور نفس مٹ جائے ورنہ اگر درسیات سے فارغ ہوتے ہی منبر پر بیٹھ کر وعظ شروع کردیا تو نفس کی خیر نہیں اور قوم کی بھی خیر نہیں۔ احقر کا شعر ہے۔

کیا آہ میں کچھ تاثیر نہیں کیا عشق سے دل مجروح نہیں
جب نور نہیں خود ہی دل میں منبر پہ وہ کیا برسائیں گے

پس جب علماء کو اولیاء اللہ کی صحبت اور خدمت سے استغنا نہیں تو عوام کو ان کی صحبت میں حاضری کس قدر ضروری ہے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا کہ دل کو درست کرنا ضروری ہے اور دل کو دنیا سے نکالنا ہے اگر دل دنیا میں نہ ہو تو بنگلہ اور کوٹھی اور مرغ کی بریانی اور خادم و کار کچھ مضر نہیں بلکہ اللہ والا دل ان نعمتوں میں نعمت دینے والے کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

ایک زاہد خشک نے لذیذ شوربا میں پانی ملادیا کہ نفس کو لذت نہ حاصل ہو، ایک بزرگ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص عارف ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ شوربا کی لذت کو خراب کرنے سے اس کو حق تعالیٰ کی وہ خاص تجلی کیسے محسوس ہوسکتی ہے جو اس خاص لذت میں پنہاں تھی پھر ہر لقمہ سے دل سے شکر نکلتا اب ہر لقمہ کو زبردستی ٹھونسے گا۔

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ”میاں اشرف علی! جب پانی پیا کرو تو ٹھنڈا پیا کرو تاکہ ہر بنِ مو سے شکر نکلے“۔

اسی طرح ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بنگلہ اور قالین کا فرش عطا فرمائے تو ان کو دیکھ کر جنت کو یاد کرے کہ وہاں کیسا شاندار مکان اور فرش ہوگا۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ جب کسی باغ کی سیر کرے تو جنت کے باغات کو یاد کرے اسی طرح بنگلہ اور قالین کا فرش دیکھے تو جنت کی یاد کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرلیا کرے کہ اے اللہ! دنیا میں آپ نے

جب مسافر خانے کے اندر یہ آرام وراحت بخشا تو اپنے فضل سے میرے وطن اصلی یعنی آخرت کے عیش اس سے بڑھ کر بنادے یعنی ایسے اعمال کی توفیق عطا فرمادے جو جنت سے قریب کرنے والے ہیں اور ایسے اعمال سے حفاظت فرمادے جو دوزخ سے قریب کرنے والے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ بہت سے لوگ دنیا میں نرم نرم بستروں پر آرام کرنے والے کثرت ذکر الٰہی کی برکت سے جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے البتہ ذکر خود سے کرنے کے بجائے اللہ والوں کے مشوروں سے کرے گا تو ہی پورا نفع مرتب ہوتا ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح تلوار کاٹتی تو ہے مگر جب کسی سپاہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر نفع جب کرتا ہے جب اللہ والوں سے مشورہ کر کے شروع کرے اور ان کو حالات کی اطلاع دیتا رہے۔

ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی فرماتے ہیں کہ کسی اللہ والے کو دینی مشیر بنالیا جائے اس عنوان سے احقر کے لیے اپنے ان احباب انگریز خوانوں کو سمجھانا آسان ہوگیا جو لفظ پیر سے بہت گھبراتے تھے۔ اب ان سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ نہیں نہیں! آپ پیر نہ بنایئے ان کو اپنا دینی مشیر بنالیجیے جس طرح دنیا کے کاموں کے لیے کسی تجربہ کار ماہر کو مشیر بناتے ہیں، ہر نااہل سے مشورہ نہیں کرتے اسی طرح دین کی باتوں کو ہر فٹ پاتھیے اور ہوٹل اور پلیٹ فارم یا ریل کے ڈبوں کے نہ جانے پہچانے مسافروں سے محض مولویانہ صورت دیکھ کر نہیں دریافت کرنا چاہیے، یہ محض دین کی بے وقعتی ہے جس کو تبادلہ خیال یا ٹائم پاس کرنے (وقت گزاری) کے عنوان سے آج کل دینی مباحثہ شروع کر دیتے ہیں، افسوس کہ ان ہی حضرات کو اگر مکان بنوانا ہو تو پھر بے مثال ماہر کو تلاش کریں گے اور تجربہ کار ماہرین کو ڈھونڈیں گے، ان کاموں کے لیے ٹائم پاس کرنے اور تبادلہ خیال کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔

بس یہ حال دیکھ کر دل سے آہ نکلتی ہے کہ ہائے ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ناقدری کا معاملہ کر رکھا ہے کہ جن پر جان اور مال اور آبرو سب فدا کر کے بھی یہ کہتے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ

ترجمہ: جب آنکھ بند ہو گی تو یہ گرد و غبار دور ہو جائے گا اور پھر نظر آجائے گا

کہ تمہارے پاؤں کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا ہے۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ حضرت شیروانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دولت تعلق مع اللہ کی جو دین و تقویٰ اور اتباعِ سنت و شریعت اور اہل اللہ سے محبت کی صورت میں ظاہر ہوئی کس طرح حاصل ہوئی تھی اور ان کو مال اور ریاست اپنے عشق میں گرفتار کیوں نہ کر سکی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ والوں کی محبت سے سرشار تھے ان کی صحبت میں خادمانہ حاضری دیتے تھے۔ اگر اللہ والوں کی صحبت میں کوئی اس طرح حاضر ہوتا ہے کہ میں خان صاحب ہوں میں نواب صاحب ہوں، میں سید زادہ ہوں، میں پیر زادہ ہوں تو خاک کچھ میسر نہ ہو گا، یہ راستہ تو خود کو مٹانے کا ہے۔ اللہ کی رحمت کا پانی نشیب تلاش کرتا ہے۔ تکبر کی راہ سے خدا نہیں ملتا، سب سے پہلا قدم اللہ کے راستے کا یہ ہے کہ بندہ خود کو بندہ سمجھے۔

مدرسہ میں عشق کے جس کی بھی بسم اللہ ہو
اس کا پہلا ہی سبق یارو فنا فی اللہ ہو

احقر کے اشعار۔

الغرض شاہ بلخ کی جانِ پاک
عشق حق سے ہو گئی جب دردناک

عشق کی ذلت بھی عزت ہو گئی
لی فقیری بادشاہت ہو گئی
فقر کی لذت سے واقف ہو گئی
جانِ سلطاں جانِ عارف ہو گئی

حضرت شیروانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس جہاں سے غیر فانی دولت یعنی تعلق مع اللہ اور عشقِ حق کی بہارِ بے خزاں لے کر چلے گئے اور ان کا نام تابندہ ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بوستانِ عاشقاں سرسبز باد
آفتابِ عاشقاں تابندہ باد

(معارفِ شمس تبریز)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا باغِ قرب ہمیشہ ہرا بھرا رہے اور ان کے عاشقوں کا آفتاب ہمیشہ روشن رہے۔

برعکس صرف دنیا کی دولت والے جب دنیا سے جاتے ہیں وہ کس طرح خالی ہاتھ جاتے ہیں کہ دنیا کی محبت نے

انہیں آخرت کی تیاری کا موقع ہی نہ دیا یہاں تک کہ اس حیات کا ایک دن نا قابلِ توسیع وِیزا ختم ہو گیا اور اس عالم کا بارڈر کراس کرنے کا حکم آگیا تو یہ غافل حسرت کا ہاتھ ملتا ہوا بزبانِ حال یہ کہتا ہے۔

آئے تھے کس کام کو کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے سر پہ دھر چلے

واں سے پرچہ بھی نہ لائے ساتھ میں
یاں سے سمجھانے کو دفتر چلے

اور قبر میں اُترنے کے بعد یہ کہتا ہے۔

دبا کے خاک میں سب چل دیے دعا نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا زمانے کو

اب وہاں میز کی وہ گھنٹی جس کے ذریعے چپڑ اسی اور ملازم کو طلب کرتا تھا اور وہ بنگلے در کھلے اور آلاتِ رقص و سرور اور ٹی وی کے رنگین پروگرام کو تلاش کرتا ہے کہ ٹائم پاس کیا جائے مگر اب کہاں وہ فاختہ جو خلیل خاں اُڑایا کرتے تھے مجبوراً اس حقیقت کو ماننا پڑا۔ احقر کا شعر ہے۔

یہ چمن صحرا بھی ہو گا یہ خبر بلبل کو دو
تا کہ اپنی زندگی کو سوچ کر قرباں کرے

جام تھا ساقی تھا مے تھی اور درِ مے خانہ تھا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ۔

جو چمن سے گزرے تو اے صبا یہ کہنا بلبل زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حصۂ اوّل تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول و نافع فرمائیں، آمین۔

(جاری ہے)

❖❖❖❖

انبیاء علیہم السلام کے واقعات

(گزشتہ سے پیوستہ)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں

انبیاء کرام علیہم السلام کی گھریلو زندگی بھی کیسی شاندار ہوتی ہے؟ جس پر ملائکہ رشک کرتے ہیں، حضرت والا نے اس واقعہ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کا وہ نقشہ کھینچا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر کس طرح پورا اترتے تھے؟ یوں تو یہ ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہی ہے لیکن بیان کرنے والے نے اس واقعہ کی منظر کشی میں اپنا ایمانی کردار کیا خوب ادا کیا ہے۔

پڑھیے، ایمان تازہ کیجیے!۔۔۔

☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تو ناراض ہوتی ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: اے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ میں آج کل آپ سے روٹھی ہوئی ہوں۔ فرمایا ”جب تو مجھ سے ناراض رہتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ ابراہیم کے رب کی قسم۔ میرا نام نہیں لیتی اور جب مجھ سے خوش رہتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ مُحَمَّدٍ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم) تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔

(البخاری: ۲/ ۷۸۷)

معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا روٹھنے کا حق بھی حاصل ہے اگر وہ منہ پھلا لیں تو گھونسہ مار کر مت پچکائیے، گلاب جامن منہ میں ڈال کر ٹھیک کیجیے۔ اگر ناراض ہے تو اس کو خوش کیجیے۔ پوچھئے کہ کیا تکلیف ہے۔ آپ کے حق میں مجھ سے کیا کوتاہی ہوگئی؟ گلاب جامن چھپا کر لے جائیے۔ چپکے سے اس کے منہ میں ڈال دیجیے۔ بیویوں کے منہ میں لقمہ ڈالنا سنت ہے یا نہیں؟ کبھی تو اس پر عمل کر لیجیے۔ لیکن لقمہ سے مراد یہ نہیں کہ چٹنی

ڈال دو کہ مرچوں سے اس کو پیچش شروع ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ كَرِيْمًا مَغْلُوْبًا

یہ کون فرمارہا ہے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں چاہے مغلوب رہوں، چاہے بیویاں مجھ سے بلند آواز سے بات کریں۔ لیکن میں اپنے اخلاقی بلندیوں کے منائر کو گرنے نہ دوں اپنی اخلاقی بلندیوں کو قائم رکھوں۔ ان پر کریم رہوں، ان کی باتوں کو برداشت کرلوں، اللہ کی بندیاں سمجھ کر ان کو معاف کردوں۔

وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ لَئِيْمًا غَالِبًا (روح المعانی:۱۷/ ۵۰)

اور میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں کمینہ اور بداخلاق ہو کر ان پر غالب آجاؤں اور میری اخلاقی بلندیوں میں نقصان آجائے۔

ایک مرتبہ ہماری مائیں ذرا کچھ زور سے بول رہی تھیں۔ کچھ نان و نفقہ کے بارے میں گفتگو فرمارہی تھیں۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے سب خاموش ہوگئیں۔ کیوں کہ آواز سن لی تھی کہ آج ذرا تیز آواز سے باتیں ہو رہی ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی بندیو! میری ماؤں! تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیز آواز میں بولتی ہو اور عمر سے ڈر گئیں!! کیا فرمایا ہماری ماؤں نے؟ ہماری ماؤں نے فرمایا کہ اے عمر! تم سخت دل ہو۔ اور ہمارا پالا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، ہمارا نبیؐ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پالا ہے۔ تمہارے مزاج میں شدت ہے، ہمارا نبی شدید نہیں ہے وہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ناز اٹھانے والا ہے جب ہی تو ہم ان پر ناز کرتے ہیں۔ (البخاری:۱/ ۵۲۰)

سبحان اللہ! کیا بات فرمائی۔ (حقوق النساء:۴۶)

اصلاح کسی وقت بھی ممکن ہے

اپنے شیخ کا سایہ کتنا ضروری ہے؟ یہ تو اہل دل ہی جانتے ہیں۔ سالک کبھی بھی اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہوتا کیوں کہ اسی طرح شیخ اصلاح کے لیے کوئی کلاس نہیں لگاتے بلکہ ہر وقت اپنے متعلقین کی رہنمائی کرتے ہیں اس لیے صحبت شیخ میں کثرت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس مضمون میں حضرت والا نے بروقت اصلاح کی ضرورت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک حکایت سے ایک لاعلاج بیماری (حماقت) کی طرف توجہ دلائی ہے۔

☆☆☆

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سگے بھائی مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تھانہ بھون میں ایسا زبردست وعظ بیان کیا کہ سارا مجمع جھوم گیا۔ ایسا وعظ تھا کہ جیسے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بول رہے ہوں۔ لوگوں نے حضرت کو بتایا کہ آج تو آپ کے بھانجہ نے کمال کردیا۔ مولانا سعید احمد نے ایسا بیان کیا جیسے

آپ کا بیان ہوتا ہے۔ حضرت سمجھ گئے کہ اتنی تعریفیں سن کر نفس تو پھول گیا ہو گا۔ سوچا کہ ابھی دیکھتا ہوں کہ شکل پر آخر کیا اثر ہے کیوں کہ جب نشہ آتا ہے کبر کا، بڑائی کا تو چال میں، آنکھوں میں اور چہرے پر اس کے اثرات آجاتے ہیں، جیسے بخار آجائے، تو بخار تو جسم کے اندر ہوتا ہے، لیکن چہرہ بھی لال ہو جاتا ہے، جب غصہ آتا ہے، تو آنکھیں لال ہو جاتی ہیں۔ آنکھوں کی سرخی بتاتی ہے کہ خیریت نہیں ہے۔ لہٰذا اس دن مولانا سے چلنے میں تھوڑی سی غلطی ہو گئی، مجمع سے گزرتے ہوئے کسی کے پیر لگ گیا۔ بس حضرت نے اتنا ڈانٹا کہ ''نالائق، بے وقوف ایذاء رسانی کرتے ہو ذرا خیال نہیں کرتے۔ تمہارا پیر کیوں لگا اس سے؟ اور نہ جانے کیا کیا فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے پوچھا کہ حضرت! غلطی تو ذرا سی تھی اور انہوں نے جان بوجھ کر بھی نہیں کی، چلنے میں ذرا سا پاؤں لگ گیا بغیر ارادہ کے، مگر آپ نے اتنا کیوں ڈانٹا؟ یہ تو اتنی بڑی غلطی نہیں تھی؟ فرمایا کہ غلطی واقعی اتنی بڑی نہیں تھی لیکن مجھے ایک پچھلے مادہ کا آپریشن کرنا تھا جو وعظ کے بعد ان کے دل میں کبر وعجب کا پھوڑا پیدا ہو گیا تھا مجھے اس پر نشتر لگانا تھا۔ اس چھوٹی سی غلطی کو تو میں نے بہانہ بنایا ہے۔ اس لیے اللہ والے بعض وقت چھوٹی سی غلطی پر زیادہ ڈانٹ دیتے ہیں اور کبھی بڑی سے بڑی غلطی پر مسکرا کر ٹال دیتے ہیں۔ لہٰذا بد گمانی نہ کیجیے کہ صاحب! چھوٹی سی غلطی پر اتنا خفا ہو گئے اور بڑی غلطی پر خیال بھی نہیں کیا۔ بس یہی سوچئے کہ شیخ جس مقام سے تربیت کر رہا ہے اس مقام تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ ورنہ اگر استاد نے کہا کہ پڑھو الف اور ب۔ اور شاگرد کہتا ہے الف کھڑا کیوں ہے اور ب لیٹا کیوں ہے؟ تو بتائیے کہ یہ پڑھ سکے گا؟ استاد کہے گا کہ بس تشریف لے جائیے، آپ کی قسمت میں سبزی منڈی لکھی ہوئی ہے آپ گو بھی بیچئے! اگر علم تمہاری قسمت ہوتا تو تم تقلید کرتے۔ اس لیے شروع میں تقلید کی جاتی ہے بعد میں سارے مسائل خود حل ہو جائیں گے۔ جب ''نورانی قاعدہ'' پڑھ لے گا اور قرآن ختم ہو جائے گا تو خود پڑھنے لگے گا لیکن کوئی شروع ہی میں محقق بنے کہ الف کھڑا کیوں ہے اور ب لیٹا کیوں ہے۔ اور ب کے نیچے ایک نقطہ کیوں ہے اور ت کے اوپر دو نقطے کیوں ہیں؟ تو آپ بتلائیے کہ پڑھ سکے گا یہ شخص؟ بنیادی طور پر تعلیم کا بین الاقوامی قاعدہ ہے کہ شروع میں صرف تقلید کی جاتی ہے اپنے معلم اور استاد کی۔ دنیا میں جتنے عقل مند ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ صاحب! بچہ کو حق حاصل ہے پوچھنے کا، جرح وقدح کا تحقیق واجتہاد کا۔ اسی طرح اللہ والوں کے سامنے اپنے کو اسی بچہ کی مانند سمجھیے جو کچھ نہیں جانتا۔ جو شخص بزرگان دین کے مقابلہ میں اپنی کوئی رائے رکھتا ہے، ان پر اعتراض کرتا ہے، بد گمانی کرتا ہے، اللہ کے راستے میں اسے کچھ نہیں مل سکتا۔ ان حماقتوں کا سبب اکثر جہالت ہوتی ہے۔ خدا اپناہ میں رکھے جہالت کا کوئی علاج نہیں اور حماقت کا بھی کوئی علاج نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک احمق سے بھاگے جا رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ حضور! آپ تو نبی ہیں آپ نابینا کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیتے ہیں تو وہ بینا ہو جاتا ہے، کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو اس کا کوڑھ اچھا ہو

جاتا ہے۔ پھر اس احمق سے کیوں بھاگ رہے ہیں؟ اس کے سر پر بھی ہاتھ پھیر دیجیے! تو کیا جواب دیا؟

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوڑھی کو اللہ کے حکم سے اچھا کر سکتا ہوں، میرے ہاتھوں میں اللہ نے معجزہ رکھا ہے، نابینا کو بینا کر سکتا ہوں، لیکن حماقت اور بے وقوفی چوں کہ قہر خداوندی ہے اس لیے اللہ کے قہر کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ لہٰذا دوستو! خدائے تعالیٰ سے ہم سب کو دین کی فہم مانگنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ یہ سمجھ ایسی چیز ہے کہ اگر یہ بگڑ جائے تو بڑے سے بڑا ولی اللہ اس کو برا معلوم ہو گا لہٰذا جب سارے معالجوں اور حکیموں سے دشمنی ہو جائے گی تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔ یہ قلت فہم اور حماقت قہر خداوندی ہے، جس کا علاج حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کے پاس بھی نہیں۔ (بدگمانی اور اس کا علاج: ۲۳)

جب آفتابِ الٰہی دل کو منور کرتا ہے

"دل کی دنیا" صوفیائے کرام کا موضوع اور ان کی سرزمین ہے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں شمع الٰہی کو منور کرنا ان کا کام ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ میں اللہ والوں کے اس کام کو سمجھانے کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔

☆☆☆

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور واقعہ میں عجیب انداز سے (دل کی دنیا کی وضاحت) کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مچھر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں درخواست کی کہ حضرت! یہ ہوا مجھ کو پیٹ نہیں بھرنے دیتی۔ جب بھوک میں کسی انسان کا میں خون چوستا ہوں تو ہوا میرے قدم اکھاڑ دیتی ہے۔ اور مجھے میلوں بھگا دیتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا "اچھا آپ تو مدعی ہو گئے، اب میں مدعا علیہ کو بلا رہا ہوں، کیوں کہ مقدمہ کے فیصلے کے لیے دونوں کا حاضر ہونا ضروری ہے" اور ہوا کو حکم دیا:

"اے ہوا! آجا، مچھر کا تجھ پر دعویٰ ہے۔" ہوا جو آئی تو مچھر صاحب بھاگے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہنسی آگئی، اچھا مدعی ہے کہ مدعا علیہ کے آتے ہی بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہوا کو حکم دیا کہ "اچھا واپس جا اور پھر مچھر کو بلایا کہ تم کیوں بھاگے؟" کہا کہ یہی تو رونا ہے، جب یہ ظالم آتی ہے، تو میرے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور بغیر بھاگے نہیں بنتی۔ (جاری ہے)

مغفرتِ کاملہ

(تیسری قسط)

اللہ اکبر

ایک حدیث (طبرانی عن معاذ رضی اللہ عنہ) میں آیا ہے دو کلمے ایسے ہیں کہ ان میں ایک کے لیے عرش کے نیچے کوئی منتہا نہیں وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ دوسرا آسمان یا زمین کو اپنے نور یا اجر سے بھر دیتا ہے۔ وہ کلمہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ہے (فضائل ذکر حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ) اَللّٰهُ اَكْبَرُ میں اسماء الٰہیہ کے تمام اسماء جلالیہ کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن شریف میں حق تعالیٰ کی شان جلالی کا مظہر یہ کلمہ ہے۔ چناں چہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (بے شک اللہ تعالیٰ سب سے برتر سب سے بڑے ہیں) وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (كَوْنُ رِضْوَانِ اللّٰهِ اَكْبَرَ فَرْعُ كَوْنِ اللّٰهِ اَكْبَرُ فَيَدُلُّ عَلَى التَّكَبُّرِ لِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ ۱۲ منہ قدس سرہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا بہت بڑا ہونا اللہ تعالیٰ کے بڑے ہونے سے ہے اس لیے یہ آیت اس اعتبار سے کبریائی بتاتی ہے، آیت کا ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے۔ توجیه مثل ما مر فی المنیهة المتعلقه بقوله تعالی وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ، منہ قدس سرہ) یعنی اس کی وجہ بھی وہی ہے جو وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ میں اوپر حاشیہ میں گزر چکی) وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، ان کے تم کو ہدایت دینے پر) وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا (اور بڑائی بیان کیجیے ان کی خوب بڑائی) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو) اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کا بیان اور بہت سی آیات میں وارد ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ- الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ- هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ- وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ وغیرہ۔ احادیث میں بھی خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا حکم اور اس کی ترغیب کثرت سے وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کہیں آگ لگی دیکھو تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کثرت سے پڑھو یہ اس کو بجھا دے گی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ یہ تکبیر کہنا آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب

بندہ تکبیر کہتا ہے تو (اس کا نور) زمین سے آسمان تک سب چیزوں کو ڈھانک لیتا ہے۔

ایک حدیث (مشکوۃ) میں ہے کہ جو اَللّٰہُ اَکۡبَرُ سو مرتبہ کہے تو اس دن اس سے بہتر عمل کرنے والا کوئی دوسرا شخص نہ ہوگا۔ بجز اس شخص کے جس نے اس سے برابر پڑھا ہو یا اس کے زیادہ۔ یہی کلمہ اذان اور نماز کے لیے تکبیر اور عیدین کی تکبیرات کا جزو اعظم ہے۔ یہی کلمہ دخول نماز کے لیے شرط ہے۔ یہی کلمہ نماز کے لیے تکبیر اولیٰ کی عظمت لیے ہوئے ہے۔ اسی کلمہ کے ساتھ رکوع میں، سجدے میں، سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور یہی کلمہ تمام رکعات شروع کراتا ہے اور التحیات میں بھی یہی کلمہ پہنچاتا ہے۔ حج کے مختلف ارکان، طواف میں، سعی، جمرات میں، وقوف (عرفات، مزدلفہ) میں یہ کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ خانہ کعبہ میں جب داخل ہوں تو اس کے اطراف میں اور گوشوں میں تکبیر کہنا منقول ہے، (بخاری ابو داؤد)

ذبیحہ کے لیے شرط ہے اور بلندی پر جانے کے لیے اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہنا مسنون ہے۔ (بخاری شریف)

(ف) اللہ پاک کی بڑائی، عظمت و شانِ کبریائی اور ان کا علو و جلالت اس طرح رگ رگ میں سما جانی چاہیے کہ اپنے آپ کو گویا نیست سمجھنے لگے، اپنی ہستی ہے ہی کیا۔ اپنے آپ کو مٹا دینا چاہیے اور اس مٹ جانے کو بھی مٹا دینا چاہیے یہی فناء الفنا ہے۔ ایسی فنائیت، ایسی عبدیت، ایسے مٹ جانا ہر ہر نقل و حرکت سے، چہرہ سے۔ گفتار و کردار سے نمایاں ہونا چاہیئے کہ چال ڈھال بھی اس کا آئینہ دار ہو جائے۔ جیسے عباد الرحمن کی پہلی تعریف سورہ فرقان میں یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا آئی ہے۔ ہم نے ایسے اکابر دیکھے ہیں کہ ان کے چہرہ کو ان کے بوجہ شان عبدیت و فنائیت کے دیکھنا اور نظر کرنا مشکل ہوتا تھا۔

چو سلطانِ عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیب عدم بر کشد

(جب محبوب حقیقی کی تجلّی قلب پر وارد ہوتی ہے سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں) اس افتقار و عجز شکستگی و نیاز کے ساتھ ان اکابر میں "دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد" کا منظر بھی ہوتا تھا۔

دامان نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گل چین بہار توز دامانِ گلہ دارد

علو و جلالت و شان کبریائی تو صرف حق تعالیٰ کی ہے کسی اور کے اندر شائبہ کبر بھی برداشت نہیں۔ جس میں رائی بھر کبر ہوگا جنت میں نہیں جائے گا اور جس میں رائی بھر ایمان ہوگا وہ جنت میں بالآخر ضرور پہنچے گا۔ کبر، عجب بدترین رذائل ہیں۔ بدگمانی، تجسس، غیبت ان سب کا منشا کبر ہے (انفاس عیسیٰ) کبر کی ضد تواضع، افتقار انکسار عجز و نیازی ہے۔ حب جاہ بھی کبر سے ناشی ہے۔

کلمہ من تحت العرش من کنز الجنۃ

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (برائیوں کو چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے وابستہ ہے) جنت کے خزانوں سے ایک خزانہ ہے (صحاح ستہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ یہ پڑھنے والے کے لیے ننانوے بیماریوں کی دوا ہے جن میں سب سے آسان اور ہلکی بیماری غم ہے۔ بیہقی کی روایت ہے (عن ابن عمر رضی اللہ عنہ) بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اب میرا بندہ مسلمان ہو گیا اور پورا پورا مسلمان ہو گیا گویا یہ کلمہ اسلام کامل کا ذریعہ ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جب اس کے پروردگار نے اس (حضرت ابراہیم علیہ السلام) سے کہا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردے اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر چکا جو تمام جہانوں کے پالنے والے ہیں) یہ قدرت الٰہیہ کے قہر و غلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت و طاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے۔ یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گزارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو درحقیقت کوئی اختیار نہیں، نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حتیٰ کہ نہ کسی نقل و حرکت کا۔ اس کی ہر ہر حرکت و سکون اور اس کا ایک ایک نطق و سکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں۔ جب وہ شریعت کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ اس پر جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی۔ جس طرح ایک غلام اپنے نفع و نقصان کی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، اسی طرح بندہ مومن کا حال ہونا چاہیے۔ اگر اس کو اس منزل تک رسائی نہیں ہوئی تو کم از کم زبانی طور پر "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہیئے۔ زمین و آسمان کے خزائن سب اللہ تعالیٰ کے ملک ہیں۔ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ حصہ اپنے بندوں کے لیے یہاں بھی لگا دیا گیا ہے۔ لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے۔ جہاں جنت ہے اس میں یہ ایک درِ مکنون کا کلمہ ہے۔ جو فردائے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ اس کی قیمت خالق کائنات کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔ مختصراً ایک ضعیف بندہ کے لیے اس کلمہ کی حقیقت میں من حیث المراتب ایمان کامل و اسلام کامل کی آخری منزل ہے کہ ایمان صرف محض ایک علم کا مرتبہ نہیں صرف التزام طاعت اور انقیاد باطن بھی نہیں۔ بلکہ تسلیم و رضا کی اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور

مقتضیات نفس سب فنا ہو جاتے ہیں اور صرف خدائے تعالیٰ کی ذات پاک مقصود بن کر رہ جاتی ہے۔ اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں خدا تعالیٰ کی وسیع جنت بھی ارزاں ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

متاع جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے۔

(ماخوذ از ترجمان السنہ جلد دوم حاشیہ حدیث ۳۱۸ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ)

ہمارے حضرت مرشدنا حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز نے کمال نظر معرفت پیدا کرنے کے سلسلہ میں اس آیت کا حوالہ دیا ہے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (جو شخص سپرد کر دے اپنے وجہ یعنی اپنی ذات کو خداوند تعالیٰ کے لیے اس حال میں کہ وہ محسن ہو ان کا اجر اللہ کے پاس ہے نہ ان پر خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے) یہاں پر حق تعالیٰ نے اس عمل کو گویا اسلام کامل سے تعبیر فرمایا ہے۔ اسلام تعلق مع اللہ کا نام ہے اور مَنْ اَسْلَمَ سے یہی مقصود ہے کہ اپنی ہر چیز کو خدا کے سپرد کر دیا۔ کبھی سپرد کرنا غرض کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی خوف سے اور کبھی محبت سے، محققین کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی نے غرض کی وجہ سے سپرد کیا کہ کام خوب نکلیں گے تو یہ شرک خفی ہے کہ کام بنانے کے لیے اطاعت کرتا ہے خدا کے لیے نہیں کرتا۔ پس یہ تسلیم اس لیے کرو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس لیے وَهُوَ مُحْسِنٌ بھی فرمایا کہ سپرد کرنے میں اخلاص ہو اپنی کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔ اس طرح بندہ کے ذمہ خدا کا یہ حق ہے کہ وہ جو حکم کر دے اس پر بندہ (دل و جان سے) راضی رہے، سو یہ درجہ مطلوب ہے اور (اب) یہ شخص موحد کامل ہے۔ مومن ہے۔ عارف ہے۔

کشتگان خنجر و تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

اسلام مطلوب کی یہی حقیقت ہے کہ خالصتاً اللہ کے لیے ہو۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً حکم ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہوں۔ اسلامِ کامل ہی مقصود، مطلوب اور مامور بہ ہے۔ ایک اور آیت میں اسلام کامل کی حقیقت چار اجزاء میں بیان فرمائی گئی ہے۔ نماز، عبادت، موت، حیات اور مزید حق تعالیٰ ان میں جو تصرف فرمائیں اس کا اعتقاداً و حالاً منقاد اور فرماں بردار ہونا ہی اسلام کامل ہے (مواعظ اسلام الحقیقی و احسان الاسلام و الاتمام نعمۃ الاسلام عجیب و غریب حقائق ہیں) بندہ کی یہ شان اور یہ حال ہونا چاہیے۔

زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو

جان شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(اگر آپ زندگی دیں تو یہ آپ کی عطاہے، اگر اپنی راہ میں میری جان آپ قبول فرمائیں تو میری جان آپ پر فداہے۔ دل آپ کی محبت میں مبتلاہے آپ کی مرضی عین میری مرضی ہے)

ناخوش تو خوش بود بر جان من

دل فدائے یار دل رنجان من

تیرا رنجیدہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے دل ایسے یار پر قربان جو میرے دل کو رنجید کرے۔

جب اس حدیث کے کلمات اسلام کامل اور ایمان کامل کا ذریعہ ہیں تو ان میں تمام گناہوں کے عفو کیے جانے کی صفت کیوں نہ ہو۔ کلمہ طیّبہ کی تکرار جب حرز جان بن جائے گی اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی حقیقت عملاً بھی اور حالاً بھی رگ رگ میں رچ جائے گی تو پھر بندہ کو نہ صرف مغفرتِ کاملہ کا انعام عطا کر دیا جائے گا بلکہ عبدیت کاملہ کا تحفہ بھی مرحمت فرمادیا جائے گا۔ یا الٰہی! ہم نالائقوں کو ان کلمات مبارکہ کے فیوض وبرکات وانوار و اسرار، اخلاق وآثار نصیب فرما دیجیے، اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِحَقِّ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

(جاری ہے)

ارشاد فرمایا کہ حفظِ قرآن کی ایک آسان صورت یہ سمجھ میں آئی ہے کہ ایک آیت ہر روز یاد کرے تو سال میں ایک پارہ تو ضرور ہی ان شاء اللہ تعالیٰ یاد ہو جائے گا اور تیس سال میں پورے حافظ ہو گئے، اور اگر اس سے قبل انتقال ہو گیا تو قیامت کے دن حافظ اُٹھایا جائے گا۔ اسی طرح اگر محلّے کے تیس آدمی ایک ایک پارہ تقسیم کر کے یاد کر لیں تو سال میں تیس پارے سب کو الگ الگ یاد ہو جائیں گے پھر کسی سامع کی ضرورت تراویح میں نہ ہوگی۔ اسی طرح ہر آدمی ایک پارہ قرآنِ پاک بھی سنا سکتا ہے اور تیس دن میں تیس آدمی پورا قرآن سنا سکتے ہیں پھر کسی حافظ کو اُجرت پر بلانے کے گناہ سے سب محفوظ ہو جائیں گے۔ تراویح حفاظِ کرام کو بدون اُجرت سنانا چاہیے۔ خواہ طے کریں یا نہ کریں کسی حالت میں کچھ ہرگز نہ لیں کیوں کہ طے نہ کرنے میں بھی اَلْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اور اس عرف کے سبب وہ قائم مقام طے ہی کے ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ بدون اُجرت کا حافظ نہ ملے تو پھر اَلَمْ تَرَکَیْفَ سے پڑھ لیں یا کسی کو طویل سورتیں یاد ہو اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیا کریں۔

(مجالسِ ابرار: ۳۴،۳۵)

ارشادِ باری تعالیٰ جل جلالہ
قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ
فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ (سورۃ یونس)
(اے پیغمبر! ان مشرکوں سے) کہو کہ: ”کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟
یا بھلا کون ہے جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور
بے جان کو جاندار سے باہر نکال لاتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟“ تو یہ لوگ کہیں گے
کہ: ”اللہ!“ تو تم ان سے کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟
مُعین احمد جیولرز
دوکان نمبر ۹، علی سینٹر، بلمقابل MCB بینک، طارق روڈ، کراچی، پاکستان
فون نمبر: 021-34539989,34559904 ,34537265
Fax:+92-21-34537915 Email:moinjeweller@yahoo.com

جناب شاہ زیب انصاری صاحب

عید میلاد النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایجاد کب اور کیسے ہوئی؟

اسلام میں مروجہ عید میلاد النبی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عہدِ صحابہ، عہد تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد کے دور میں اس رسم کا وجود تو کیا تصور تک نہیں تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار میلاد منانے والے بھی نہیں کرسکتے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ پتا لگایا جائے کہ اس بدعت کی ایجاد کب، کیسے اور کہاں ہوئی؟

تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بدعت کی ایجاد فاطمی دور (۳۶۲ھ تا ۵۶۷ھ) میں ہوئی اور اسے ایجاد کرنے والے بھی فاطمی خلفاء ہی تھے۔ احمد بن علی بن عبد القادر (متوفی ۸۴۵ھ) لکھتے ہیں: ”فاطمی خلفاء کے یہاں سارا سال کئی طرح کے جشن اور محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا جن میں سال کے شروع اور ختم ہونے کے جشن، یوم عاشورا کا جشن اور میلاد النبی کا جشن شامل تھے۔ (الخطط المقریزیہ: ۱/۴۹۵)

احمد بن علی بن احمد فزاری (متوفی: ۸۲۱ھ) نے نقل کیا ہے: ”ربیع الاوّل کے مہینہ میں میلاد النبی کا جلوس نکالا جاتا تھا۔ اس جلوس میں ان کا طریقہ یہ تھا کہ دار الفطرہ میں ۲۰ قنطار عمدہ شکر سے مختلف قسم کا حلوہ تیار کیا جاتا اور پیتل کے تین سو برتنوں میں ڈالا جاتا اور جب میلاد کی رات ہوتی تو اس حلوہ کو مختلف حکومتی عہدے داران مثلاً قاضی القُضاۃ، داعی الدُعاۃ، قرّاء، واعظین، قاہرہ اور مصر کی جامع مساجد کے صدور، مزاروں کے مجاور و نگران اور دیگر ایسے لوگوں میں تقسیم کردیا جاتا جن کا نام حکومتی رجسٹروں میں درج ہوتا۔ (صبح الاعشٰی: ۳/۵۷۶)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چوتھی صدی سے ہوا۔“ (سیرۃ النبی: ۳/۶۶۴)

ان فاطمی خلفاء کی حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسل سے نہیں تھے بلکہ یہودیوں اور مجوسیوں کی اولاد تھے اور اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ اُنہوں نے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور فریب سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو فاطمی النسل ظاہر کرتے تھے، لیکن علماء وقت نے اُن کے جھوٹ کا پردہ چاک کردیا تھا اور واضح اعلان کردیا تھا

کہ یہ لوگ حضرت فاطمہ کی نسل سے ہر گز نہیں ہیں۔ چناں چہ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں: "ماہر انساب محقق علمانے ان کے فاطمی النسل ہونے کے دعویٰ کی تردید کی ہے۔" (وفیات الاعیان: ۱۱۷/۳)

۴۰۲ھ میں علماء اہل حق کا اجلاس ہوا جس میں محدثین، فقہاء، قاضیوں اور بزرگان دین نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ خود کو فاطمی النسل ظاہر کرنے والے یہ خلفاء جھوٹے اور مکار ہیں، اہل بیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔" (البدایہ والنہایہ: ۳۶۱/۱۱)

فاطمی خلفاء نے حرام کاریوں کو عام کیا، مسلمانوں کا بے دردی سے خون بہایا، انبیاء کرام کی شان میں گستاخیاں کیں، اسلاف پر لعنتیں بھیجیں، حتیٰ کہ خدائی تک کے دعوے کیے۔ اسی لیے علماء کرام نے اپنی کتابوں میں ان کے کفر و فسق پر بحث کی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فضائح الباطنیہ" میں ایک خصوصی بحث کرتے ہوئے اُنہیں خالص کافر قرار دیا۔" (فضائح الباطنیہ: ۳۷/۱)

تو معلوم ہو گیا کہ عید میلاد کی بدعت ایجاد کرنے والے مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کی ایجاد ہے، اُنہوں نے سازش کر کے مصر کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور اپنی حقیقت چھپانے کے لیے خود کو فاطمی النسل ظاہر کیا اور اپنے اس دعویٰ کو مضبوط بنانے کے لیے عید میلاد النبی کا ڈھونگ رچایا تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہ لوگ اہل بیت میں سے ہیں۔

فاطمی دور کے مسلمانوں نے یہودیوں کی ایجاد کردہ اس بدعت کو قبول نہیں کیا اور یہ بدعت فاطمی خلفاء تک ہی محدود رہی، لیکن تقریباً دو سو سال بعد عمر بن محمد نام کا ایک مجہول الحال شخص ظاہر ہوا اور اُس نے یہودیوں کی رائج کردہ اس بدعت کی تجدید کی۔ اس کے زمانے میں ابو سعید الملک المعظم کوکبوری نامی بادشاہ جو نہایت فضول خرچ اور بد اخلاق شخص تھا، لہو و لعب اور گانے بجانے کا رسیا تھا، بلکہ خود بھی ناچتا تھا اس نے اس بدعت کو مسلمانوں میں رائج کیا۔ (وفیات الاعیان)

ان تمام تاریخی ثبوتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عید میلاد النبی کی یہ بدعت یہودیوں کے چیلے چانٹوں کی ایجاد کردہ ہے اور اسے مسلمانوں میں ان لوگوں نے رائج کیا جو بد اخلاق، احمق اور کذاب تھے۔

دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے سے متعلق قرآن پاک کی ایک آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے بھی ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی، وہ مردود ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹۷)

اس آیت اور حدیث سے واضح ہو گیا کہ عید میلاد النبی ﷺ دین میں ایک نئی چیز ہے، جس کے بارے میں نہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کچھ نازل فرمایا، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا اور نہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس بدعت کے بارے میں کوئی جانتا تھا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلاد النبی قرآن وحدیث کی روشنی میں باطل اور ممنوع ہے لہٰذا اب یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ عید میلاد منانے کا حکم نہیں ہے تو اس سے منع بھی نہیں کیا گیا ہے، کیوں کہ قرآن وحدیث سے اس کا بطلان اور اس کی ممانعت ثابت ہو چکی ہے۔

عید میلاد منانے والے اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں یعنی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس کا حکم قرآن وحدیث میں نہیں ہے بلکہ یہ بعد کی ایجاد یعنی بدعت ہے، لیکن بدعتِ حسنہ ہے، مگر دوسری طرف قرآن وحدیث سے اس کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں، یہ عجیب تضاد ہے کیوں کہ اگر اس کے دلائل قرآن وحدیث میں ہیں تو یہ بدعت حسنہ نہیں بلکہ سنت ہے، اور اگر یہ بدعتِ حسنہ ہے تو قرآن وحدیث میں اس کے دلائل کا ہونا ممکن ہی نہیں، صرف اسی بات پر غور کر لینے سے وہ تمام دلائل بے معنیٰ ہو جاتے ہیں جو میلاد کے جواز میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اگر قرآن وحدیث میں عید میلاد کا حکم ہے تو یہ حکم سب سے پہلے کس کو ملا؟ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کو۔ تو صحابہ کرام نے اس حکم پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ صحابہ کرام نے اس حکم کی نافرمانی کی، یہ ماننے کی صورت میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا ارتکاب ہو گا نعوذباللہ من ذلک اور دوسرا یہ کہ قرآن وحدیث میں یہ حکم موجود ہی نہیں، اسی لیے صحابہ کرام نے اس پر عمل نہ کیا، یہ ماننے کی صورت میں صحابہ کی عظمت برقرار رہتی ہے، لیکن پھر یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کے دلائل ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس سیدھی سادی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور قرآن وحدیث سے زبردستی عید میلاد کے دلائل کشید کرتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ سنت کا راستہ اسہل، اجمل اور اکمل ہے، مثلاً: ہاتھ دھو کر کھانا یہ اجمل ہے، سامنے سے کھاؤ یہ اسہل ہے، بِسۡمِ اللّٰهِ وَبَرَكَةِ اللّٰهِ کہہ کر کھاؤ یہ اکمل ہے کیوں کہ اس سے تعلق مع اللہ پیدا ہوا۔ یہ مضمون ایسی جگہ بیان ہوا جہاں کے لوگ ہمارے اکابر سے حُسنِ ظن نہ رکھتے تھے، اس عنوان سے ان پر بہت اچھا اثر ہوا۔ الحمد للہ

(مجالسِ ابرار: ۴۰)

جھروکۂ تاریخ کے دو مناظر

شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کی دینی تربیت

احادیث مبارکہ کی حقانیت کے بارے میں شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا کہ ان (احادیث) میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی اور تعلی کے اب تک ان بلندیوں تک نہیں پہنچی۔ (اقبال نامہ:۱/ ۳۳۷)

ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان (ڈاکٹر محمد اقبال) کے سامنے بڑے اچنبھے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اصحاب ثلاثہ" (حضرات ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کے ساتھ احد پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے، اتنے میں احد لرزنے لگا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہداء کے سوا کوئی نہیں ہے۔" اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔

اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا: "اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے؟ میں اس کو استعارہ یا مجاز نہیں بلکہ ایک مادّی حقیقت سمجھتا ہوں، اور میرے نزدیک اس کے لیے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں، مجازی نہیں، واقعی لرز اٹھتے ہیں۔" (جوہرِ اقبال:۳۸، اقبالِ کامل:۶۴) ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک موقع پر فرمایا:

جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اُٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ والد مرحوم درود شریف اور وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے۔ ایک روز صبح کو میرے پاس سے گزرے تو مسکرا کر فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ میں نے دو چار دفعہ بتانے کا تقاضا کیا تو فرمایا کہ جب امتحان دے لوگے تب۔ جب امتحان دے چکا اور لاہور سے مکان آیا تو والد صاحب نے فرمایا کہ جب پاس ہو جاؤ گے تب۔ جب پاس ہو گیا اور پوچھا تو فرمایا کہ اچھا جلد بتاؤں گا۔

ایک دن صبح کو جب حسبِ دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آ گئے اور فرمایا کہ بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تمہارے لیے ہی اُترا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے۔ لوگ قرآن کو نقالی سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ ہم سے ہم کلام نہیں۔ یٰٓاَیُّھَا

اَلنَّاسُ (اے انسانو) اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) صرف چودہ سو برس پہلے کا قصہ ہے جس سے ان کو سروکار نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآن کی تلاوت میں ان کا دل تاثر سے خالی رہتا ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ والدِ محترم کا یہ فقرہ میرے دل میں اُتر گیا اور اس کی لذت دل میں اب تک محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے اپنے مشفق باپ کی فاضلانہ اور حکیمانہ اس نصیحت کو اپنے ایک شعر میں بڑی خوبصورتی سے موزوں کیا ہے؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

ایک رِند بلانوش کی غیرتِ ایمانی

امت محمدیہ کے علماء و صلحاء کا تو کیا کہنا، یہاں کے رندانِ بلانوش کا بھی حال یہ ہے کہ شراب کی سرمستیوں اور نشہ کی مدہوشیوں کے باوجود آدابِ رسالت کا دھیان ہر لحظہ اس قدر ملحوظِ خاطر رہتا ہے کہ بڑے سے بڑا سرکش بھی نشے سے لرزتے ان کے ہاتھوں سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ ادب چھڑانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور یہ دیوانے اس حال میں بھی با محمد ہوشیار کا پاس رکھنا نہیں بھولتے۔

شہرۂ آفاق رومانوی شاعر اختر شیرانی کے بارے میں آغا شورش کاشمیری فرماتے ہیں کہ عرب ہوٹل میں ایک دفعہ بعض کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے، اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ وہ اس وقت تک شراب کی دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے۔ تمام بدن پر رعشہ طاری تھا، حتیٰ کہ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے۔ ان کے پاس چند آزاد خیال دین سے بے بہرہ نوجوان بیٹھے تھے۔ یہ وقت کمیونزم کی تحریک کے زوروں کا تھا جسے ترقی پسند تحریک بھی کہا جاتا تھا۔ باتوں باتوں میں ان نوجوانوں نے بھانپ لیا کہ یہ ترقی پسند تحریک کے منکر ہیں اور نسبتاً مذہبی خیالات کے ہیں تو بحث کا رخ پھیر دیا اور مذہب پر آگئے اور پوچھا: ”فلاں پیغمبر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ نشہ میں چور تھے۔ زبان پر قابو نہیں تھا، لیکن چونک کر فرمایا: ”کیا بکتے ہو؟ ادب و انشاء یا شعر و شاعری کی بات کرو۔“ کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا۔ ”ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟“ پھر ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا، مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے، فرمایا۔ ”اجی پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں۔ یہ افلاطون، ارسطو یا سقراط آج ہوتے، تو ہمارے حلقہ میں بیٹھتے، ہمیں ان سے کیا کہ ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں۔“ اس لڑکھڑاتی ہوئی گفتگو سے فائدہ اٹھا کر ایک

قادیانی نوجوان نے سوال کیا: ”آپ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

اللہ اللہ! ایک شرابی، جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔

”بدبخت! ایک عاصی سے سوال کرتا ہے۔ ایک سیاہ رُو سے پوچھتا ہے۔ ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟“

تمام جسم کانپ رہا تھا۔ ایکا ایکی رونا شروع کیا۔ گھگی بندھ گئی ”تم نے اس حالت میں یہ نام کیوں لیا؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب!

باخدا دیوانہ باش و با محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوشیار

اس شریر سوال پر توبہ کرو، تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں۔ خود قہر و غضب کی تصویر ہو گئے۔ اس قادیانی کو محفل سے اٹھوا دیا پھر خود اٹھ کر چلے گئے۔ تمام رات روتے رہے۔ کہتے تھے یہ بدبخت اتنے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہگار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنانا چاہتا ہے۔ اس امت کے ایک رندِ بلانوش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا کچھ اظہار ان کی اس نعت سے ہوتا ہے ؎

دنیائے ہست و بُود کو زینت تم ہی تو ہو
اس باغ کی بہار کے ساماں تم ہی تو ہو

دنیا کی آرزوئیں فنا آشنا ہیں سب
جو روح زندگی ہے وہ ارماں تم ہی تو ہو

صبح ازل سے شام ابد تک ہے جس کا نور
وہ جلوہ زار حُسن درخشاں تم ہی تو ہو

دُنیا و آخرت کا سہارا تمہاری ذات
دونوں جہاں کے والی و سلطاں تم ہی تو ہو

اخترؔ کو بے نوائِ دُنیا کی فِکر کیا
ساماں طرازِ بے سر و ساماں تم ہی تو ہو

◇◇◇◇

مولوی محمد یوسف سلیم صاحب

دنیا میں تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام

فرانس میں اسلام کا فروغ

فرانس ایسا ملک ہے جہاں یورپ کے دوسرے ممالک کی بہ نسبت مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی پائی جاتی ہے۔ اس وقت فرانس میں مسلمانوں کی تعداد ۶۰ لاکھ سے زائد اور مساجد کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہے۔ یوں مسیحیت کے بعد اسلام اس یورپی ملک میں دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے۔

فرانس میں مسلمان خوشحال زندگی گزارتے ہیں۔ فرانسیسی مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد دارالحکومت پیرس، لیوں، سٹراسبرگ اور مارسے جیسے شہروں یا ان کے نواحی علاقوں میں رہتی ہے۔ ملک میں مسلمانوں کی اکثریت کا تعلق شمالی افریقہ کی سابقہ فرانسیسی نوآبادیوں سے آنے والے تارکین وطن سے ہے، جن میں سے الجزائر، مراکش اور تیونس سب سے اہم ہیں۔ چوں کہ زیادہ تر فرانسیسی باشندے فرانسیسی زبان ہی بولتے ہیں، اس لیے اس ملک میں اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے کام میں فرانسیسی کا استعمال ہوتا ہے۔ یہی زبان بیش تر نومسلموں کی مادری زبان ہے۔ تاہم شمالی افریقہ سے یہاں پر آکر آباد ہونے والے لوگوں کی مادری زبان عربی ہے۔

فرانس میں اسلام کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ یہاں صلاح الدین ایوبی کے دور میں اسلام بھی تھا اور مساجد بھی تھیں، اللہ کا نام لینے والے بھی تھے اور اسلام کے علم بردار بھی رہتے تھے۔ ۱۹۷۰ء سے پہلے تک فرانس میں صرف ایک سو مساجد تھیں۔

پھر ۱۹۷۰ء آیا اور فرانس میں مسلمانوں کی آبادی کی رفتار انقلابی انداز سے بڑھی۔ وجہ اس کی یہ بنی کہ اس دوران اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے فرانس نے بے حد ترقی کی۔ ریلوے کے نظام کو جدید بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ زیر زمین ریلوے منصوبے ''میٹرو'' کے لیے بے شمار مزدوروں کی ضرورت تھی۔ مراکش' الجزائر اور تیونس فرانس کے قریبی ملک ہیں۔ ان پر فرانس نے مدتوں حکومت بھی کی ہے جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ فرانسیسی زبان سے آشنا تھے اور ان لوگوں کے رنگ اور قد بھی فرانسیسیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ لہٰذا لاکھوں کی تعداد میں یہاں سے لوگ فرانس آگئے۔ ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

ان مسلمانوں نے فرانس میں اپنے طور پر تحفیظ القرآن کے مدارس اور مساجد قائم کیں۔ مگر ۱۹۸۰ء میں مسجد و مدرسہ بنانے کے لیے باقاعدہ سرکاری اجازت نامے حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں نے حقیقی ترقی کرنا شروع کی کیوں کہ اب سرکاری طور پر ایک دروازہ کھل گیا تھا۔ چناں چہ متعدد اسلامی تنظیمیں وجود میں آئیں جو اپنے اپنے انداز میں اسلامی مراکز، مکاتیب و مساجد اور مدارس قائم کرتی ہیں۔

فرانس کے دارالحکومت پیرس کی بلدیہ میں اسلامی کونسل کے چیئرمین ابو بکر الجزائری نے تجویز پیش کی کہ فرانس میں ویران گرجاگھروں کو مساجد میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ یہاں پر ۲۵۰۰ مسلمانوں کے لیے صرف ایک مسجد ہے حالاں کہ ہزاروں کی تعداد میں سالانہ کی بنیاد پر گرجاگھر خالی ہورہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فرانس میں مسجدیں آباد اور چرچ ویران ہورہے ہیں۔ آج کے دور میں فرانس میں سب سے بڑی مسجد پیرس کے قریب ایفری اسکوائر میں واقع ہے۔

''دی نیوز'' ۲۳/ جنوری ۲۰۰۶ء کی رپورٹ کے مطابق فرانس میں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کررہے ہیں لیکن ان میں سے اکثر اس کا اظہار یا اقرار نہیں کرپاتے چوں کہ وہ خوف محسوس کرتے ہیں کہ لوگ انہیں تعصب کی نگاہ سے دیکھیں گے یا وہ انتہاپسند یا دہشت گرد سمجھے جائیں گے یہی وجہ ہے کہ فرانس کی فٹ بال ٹیم کے سپر سٹار ''نکولیس اینکا'' نے چار سال بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

ایک حالیہ جائزہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اسلام کے خلاف ہزار پروپیگنڈے پھیلانے کے باوجود فرانسیسی عوام تیزی سے اسلام قبول کررہے ہیں۔ نئے جائزہ میں انکشاف ہوا کہ ۵۶ فیصد فرانسیسی عوام کا ماننا ہے کہ اسلام فرانسیسی معاشرہ کے اقدار سے ہم آہنگ ہے حالاں کہ دو برس قبل ایسا رجحان نہیں پایا جاتا تھا۔

فرانس کے سابق صدر نکولس سرکوزی نے امریکن ہفت روزہ ''دی اکانومسٹ'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں اس بات کو پسند کروں یا نہ کروں مگر حقیقت یہی ہے کہ فرانس میں اسلام دوسرا سب سے بڑا مذہب بن چکا ہے۔

حال ہی میں حکومتِ فرانس کی طرف سے مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی دینے کا اعلان تازہ ہوا کا ایسا جھونکا ہے کہ اگر واقعی فرانس نے اس پر عمل کیا تو آگے چل کر یہ ایک صحت مند روایت کا آغاز ہوسکتا ہے۔ فرانسیسی صدر ایمانیویل میکرون نے مغربی پیرس میں فرسائی کے مقام پر پارلیمنٹ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے مسلمانوں کے لیے ملک میں مذہبی آزادی کی قانون سازی کریں گے، کیوں کہ اسلام اور جمہوریہ فرانس کے درمیان ناخوشگواری اور کسی پیچیدگی کا کوئی عنصر موجود نہیں ہے۔ (جاری ہے)

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت سے نزدیک اور جہنم سے دور کر دے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز پابندی سے پڑھ اور زکوٰۃ ادا کر اور اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کر، اس کے بعد وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ میرے حکم پر کاربند رہے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان الذی یدخل به الجنة، وان من تمسک بما امر به دخل الجنة: ۱۳)

سیّد عمران فیصل صاحب

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

سری سقطی بغداد کے نامور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔اوائل عمری کا قصہ ہے آپ بغداد کے بازار میں اپنی دوکان پر بیٹھے تھے کہ خواجہ حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی دکان پر سے گزرے، آپ نے کچھ چیزیں ان کو دیں تاکہ وہ انہیں فقرا کو دے دیں۔ حبیب راعی نے فرمایا: خدا تجھے نیکی کی توفیق دے۔بس اسی روز سے آپ کے دل پر دنیا سرد ہوگئی اور دنیا کو سنوارنے کا خیال دل سے جاتا رہا۔(تذکرۃ الاولیاء)

کچھ عرصے بعد حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی دوکان پر تشریف لائے،اُن کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا،انہوں نے فرمایا کہ یتیم کو کپڑے پہنادو،آپ نے اسے کپڑے پہنائے تو معروف کرخی نے دعادی کہ خدا تعالیٰ تیرے دل پر دنیا کو دشمن کردے،اور تجھے اس شغل سے راحت دے۔ان کا یہ فرمانا تھا کہ یکبارگی آپ دنیا سے متنفر ہوگئے،اور اس کی ذرہ بھر اُلفت آپ کے دل میں نہ رہی۔(تذکرۃ الاولیاء)

ولادت

۱۵۵ھ کو بغداد شریف میں آپ کی پیدائش ہوئی،نام سِرُّ الدین اور کنیت ابوالحسن تھی،والدِ گرامی کا نام مغلس تھا۔آپ سری سقطی کے نام سے مشہور ہوئے۔عربی زبان میں "السری"عظیم الشان کے مفہوم میں مستعمل ہے اور "السقطی" پرانے لوہے اور کپڑوں کا کاروبار کرنے والے کے ہیں جیسے (السقط المتاع) بے کار نکمی یاٹوٹی پھوٹی چیزیں۔

آپ معروف کرخی کے شاگرد تھے اور ان ہی سے خرقہ تصوف حاصل کیا۔آپ جنید بغدادی کے ماموں،استاد اور شیخ بھی تھے۔(تذکرۃ الاولیاء،فریدالدین عطار)

تحصیلِ علم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے محلہ کے مکتب سے حاصل کی،رجوع الی التصوف کے بعد مختلف شیوخ سے علمی وروحانی استفادہ فرمایااور بالخصوص حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فرمایا اور درجۂ کمال پر فائز ہوئے۔آپ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید

و خلیفہ اور حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔ اس اعتبار سے آپ تبع تابعین میں سے تھے۔ آپ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں اور شیخ طریقت تھے۔

مرتبۂ زُہد و تقویٰ

آپ اہل تصوف کے امام و مقتدا گردانے جاتے ہیں، تصوف کے اَسرار و رُموز میں آپ کو اس قدر اعجاز حاصل تھا کہ جو بھی سنتا حیران و ششدر رہ جاتا۔ سب سے پہلے جس نے حقائق و معارف کو بغداد میں نشر فرمایا وہ آپ ہی تھے۔ عراق کے بہت سے مشائخ آپ کے حلقۂ اِرادت میں شامل تھے۔

آپ کے زُہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ نے بغداد کی دکان میں ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا اور ہر روز پردے کے پیچھے ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دن اردن کے پہاڑی علاقے لگام سے ایک شخص آپ کی زیارت کو آیا اور پردہ اٹھا کر سلام عرض کیا اور کہا کہ لگام کے فلاں پیر زادہ نے آپ کو سلام پیش کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: پہاڑ میں ساکن ہونا جواں مردی نہیں، مرد ایسا ہونا چاہیے جو بازار میں رہ کر حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا مشغول ہو کہ اس سے غافل نہ ہو۔ اس مقام کے بارے میں سلطان العارفین حضرت سلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان ولی اللہ پر سات قسم کے حربے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے اس بات پر مائل کرتا ہے کہ عبادت خلوت میں ہونی چاہیے تاکہ اس سے باجماعت نماز کا واجب چھوٹ جائے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: میرے نزدیک سری سقطی سے بڑا کوئی عابد نہیں وہ بانوے سال زندہ رہے لیکن مرض الموت کے علاوہ میں نے انہیں لیٹا ہوا نہیں دیکھا۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں آپ کے سوا کسی سے سوال نہ کرتا تھا کیوں کہ میں آپ کے زہد و تقویٰ سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ جب آپ کے دستِ مبارک سے کوئی چیز باہر جاتی ہے تو آپ خوش ہوتے ہیں۔

آپ کی ایک کرامت

آپ نے ایک مرتبہ شرابی کو دیکھا جو نشے کی حالت میں مدہوش زمین پر گرا ہوا تھا اور اسی نشے کی حالت میں اللہ، اللہ کہہ رہا تھا۔ آپ نے اس کا منہ پانی سے صاف کیا اور فرمایا کہ اس بے خبر کو کیا خبر کہ ناپاک منہ سے کس ذات کا نام لے رہا ہے۔ جب شرابی کو ہوش آیا تو لوگوں نے بتایا کہ تمہارے پاس سری سقطی تشریف لائے اور تمہارا منہ دھو کر چلے گئے۔ شرابی یہ سن کر شرم و ندامت سے رونے لگا اور نفس کو ملامت کر کے بولا: ”اے بے شرم! اب تو سری سقطی بھی تم کو اس حالت میں دیکھ گئے ہیں، خدا سے ڈر اور آئندہ کے لیے توبہ کر۔“ اسی رات

حضرت سری سقطی نے ندائے غیبی سنی کہ اے سری سقطی !تم نے ہمارے لیے شرابی کا منہ دھویا، ہم نے تمہارے لیے اس کا دل دھو دیا۔ جب حضرت نماز تہجد کے لیے مسجد میں گئے تو اس شرابی کو تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے اندر یہ انقلاب کیسے آگیا؟ اس نے جواب دیا کہ آپ مجھ سے کیوں دریافت فرما رہے ہیں جبکہ خود آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر آگاہ فرمادیا ہے۔(الروض الفائق:۲۴۴)

اصلاحِ نفس کا خیال

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بازار میں آگ لگ گئی تو میں اپنی دکان کا حال دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا، راستہ میں ایک شخص نے خوش خبری دی کہ آپ کی دکان سلامت ہے میں نے یہ سن کر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر مجھے خیال آیا کہ اپنی دکان کے صحیح ہونے پر تو اللہ کا شکر ادا کر لیا لیکن دوسروں کی دکان کا خیال نہیں آیا تو میں اپنی اس کوتاہی پر تیس سال سے استغفار کر رہا ہوں حالاں کہ میں نے اپنا مال ان مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

حضرت سری سقطی کا قول ہے کہ میری کوشش ہے کہ میں ایسا لقمہ کھاؤں کہ اللہ کی جانب سے مجھ پر اس بارے میں کوئی مواخذہ نہ ہو اور نہ ہی مجھ پر کسی کا احسان ہو لیکن تا حال میں اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوا ہوں۔

آپ کے بارے میں اکابر کے اقوال

ابن خلکان کہتے ہیں کہ حضرت سری سقطی اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے: ”جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا تو محبوب نے کہا کہ جھوٹ ہے کیوں کہ تیرے اعضاء پر گوشت موجود ہے، جب تک جسم پر گوشت ہے اس وقت تک محبت کا دعویٰ غلط ہے۔ جب تک اتنا مدہوش نہ ہو جائے کہ پکارنے والے کا جواب نہ دے اس وقت تک محبت کا دعویٰ صحیح نہیں۔“

وقتِ آخر

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو میں بیمار پُرسی کے لیے حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا ؂

کیف اشکو الی طبیبی ما بی

والذی بی اصابنی من طبیبی

اپنی بیماری کی اپنے معالج سے شکایت کیسے کروں؟ جو مرض طبیب کی جانب سے ہو اس کی شکایت کس سے کروں؟

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ان کو پنکھا جھلنا شروع کیا تو انہوں نے فرمایا جو شخص اندر سے جل کر ختم ہو گیا ہو اس کو یہ پنکھا کیا فائدہ دے گا؟ پھر یہ اشعار پڑھے

القلب محترق والدمع مستبق

والکرب مجتمع والصبر مفترق

دل جل رہا ہے اور آنسو تیزی سے رواں ہیں، رنج اکٹھے ہو گئے اور صبر دور ہو گیا۔

کیف القرار علی من لا قرار لہ

مما جناہ الھوا والشوق والقلق

اس بے قرار کو قرار کیسے حاصل ہو سکتا ہے جسے محبوب سے ملنے کے شوق اور بے چینی نے مضطرب کر رکھا ہو۔

یا رب ان کان لی شیی بہ فرج

فامنن علی بہ ما دام بی رمق

اے میرے رب! اگر کسی چیز میں میرے لیے قرار رکھا ہو تو زندگی کی رمق باقی رہنے تک وہ مجھے عطا فرمائے رکھ۔

حضرت جنید فرماتے ہیں: پھر میں نے ان سے نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا کہ برے لوگوں کی صحبت مت اختیار کرو اور اچھے لوگوں کی صحبت میں رہنے کے وقت بھی اللہ کو مت بھولو۔

تاریخ بغدادی میں خطیب بغدادی کا قول ہے کہ حضرت سری سقطی کی وفات ٦/ رمضان المبارک ۲۵۳ھ بروز پیر بعد اذانِ فجر ہوئی اور عصر کے بعد شونیزی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

اقوالِ زریں

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جس نے اللہ کے مقابلے میں بڑائی چاہنے کا ارادہ کیا تو وہ اُسے بری طرح پچھاڑ دے گا۔ جس نے اس سے لڑائی کا ارادہ کیا تو وہ اسے ذلیل کر دے گا۔ جس نے اس کو دھوکا دینا چاہا وہ اسے اس کی سزا دے گا۔ جس نے اس پر بھروسا کیا اسے نفع دے گا۔ جس نے اس کے لیے عاجزی کی وہ اُسے بلند رتبہ عطا فرمائے گا۔

آپ فرماتے ہیں کہ سلامتیِ دین اور سکونِ جسم وجاں صرف گوشہ نشینی میں ہے۔

آپ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزوں کو چھوڑ کر تمام عالم بے سود ہیں: اوّل: کھانا۔ لیکن بقائے زندگی کی حد تک۔ دوم: پانی۔ صرف رفع تشنگی کے لیے۔ سوم: لباس۔ صرف ستر پوشی کی حد تک۔ چہارم: مکان۔ صرف سکونت کے لیے اور پنجم: علم۔ عمل کی حد تک۔

آپ نے فرمایا کہ خواہشات کی حد تک گناہ قابلِ معافی ہے لیکن کبر ونخوت کی بنیاد پر گناہ ناقابلِ معافی ہے کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش خواہش کی بنیاد پر تھی اور ابلیس کی خواہش کبر ونخوت کی وجہ سے تھی۔

آپ کا فرمانا ہے کہ مخلوق سے کچھ نہ طلب کرتے ہوئے دنیا سے متنفر رہنے کا نام زُہد ہے۔

آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ اخلاق یہ ہے کہ لوگوں کو اذیت دینے کے بجائے اُن کی اذیت رسانی پر صبر سے کام لے، اور غصے پر قابو رکھنا بھی حسنِ اخلاق میں سے ہے۔

آہِ تنہائی

کٹ رہی ہے میری تنہائی مرے نغمات سے
لب اگر خاموش ہوں گے چشم تر ہو جائے گی

کر رہا ہوں آہ پیہم گو ابھی ہے نارسا
ایک دن آخر تو ممنون اثر ہو جائے گی

درحقیقت میری آہ خام کا ہے یہ قصور
رفتہ رفتہ پختہ ہو کر پردہ در ہو جائے گی

حافظ محمود علی

علمی جواہرات

فہم وفراست کا ایک بے مثال واقعہ

عباسی خلیفہ مہدی ایک دفعہ دربار عام میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص وارد ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جوتا تھا جو کہ ایک رومال میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا ہے جو میں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ لایا ہوں، اسے قبول کر لیجیے۔ مہدی نے کہا: لاؤ دکھاؤ۔ اس شخص نے جوتا دیا تو مہدی نے اس کے اندر کے حصہ کو بوسہ دیا، اپنی آنکھوں سے لگایا اور حکم دیا کہ اس شخص کو دس ہزار درہم دیئے جائیں۔

جب وہ درہم لے کر چلا گیا تو مہدی نے ہم نشینوں سے کہا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں سمجھتا نہیں ہوں کہ رسول اللہ نے اس جوتے کو دیکھا بھی نہیں چہ جائیکہ اس کو پہنا ہو۔ لیکن ہمارے اس طرز عمل میں یہ مصلحت تھی کہ اگر ہم اس کی تکذیب کرتے تو وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرتا کہ میں نے امیر المؤمنین کے سامنے رسول اللہ کا جوتا پیش کیا۔ مگر امیر المؤمنین نے اس کو مجھ پر پھینک دیا۔ اور اس بات کو رد کرنے والوں کی بنسبت تصدیق کرنے والے بہت لوگ ہوتے۔ کیوں کہ عام لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ صرف ظاہری سطح کو دیکھتے ہیں اور طاقتور کے مقابلہ پر ہر کمزور کی حمایت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں چاہے وہ کمزور ظالم ہی کیوں نہ ہو اور طاقتور حق وانصاف پر کیوں نہ ہو۔

تو ہم نے دس ہزار میں درحقیقت اس کی زبان خریدی ہے۔ اور بظاہر اس کا ہدیہ قبول کیا اور اس کے قول کی تصدیق کر دی۔ جو کچھ ہم نے کیا ہماری رائے میں یہی مناسب معلوم ہوا۔ (کتاب الاذکیاء لابن جوزی)

ایمانی شجاعت وبہادری

خلیفہ ہارون الرشید نے روم کی شہزادی ”رنا“ جس کا لقب اغسطہ تھا کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ لیکن روم کے باشندگان نے اس کو معزول کر کے اپنا بادشاہ ”نقفور“ کو بنالیا جو ایک غیر محتاط انسان تھا۔ جب روم کی زمام حکومت نقفور کے ہاتھ آئی تو رومیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے اس معاہدے کو توڑ ڈالا اور نقفور نے ہارون رشید کو یہ خط لکھا:

شاہِ روم نقفور کی جانب سے شاہِ عرب ہارون رشید کے نام

”مجھ سے پہلے روم کی زمام حکومت جس شہزادی کے ہاتھ میں تھی اس نے تجھے بہت زیادہ اہمیت دے رکھی تھی۔ وہ مرعوب ہوکر ایک عرصہ تک تجھے خراج ادا کرتی رہی، حالاں کہ سچی بات تو یہ ہے کہ تجھ جیسے لوگ اس دولت و ثروت کے مستحق ہرگز نہیں ہوسکتے۔ شہزادی نے صرف صنف نازک ہونے کے سبب تیرے ساتھ معاہدہ کررکھا تھا کیوں کہ عورتیں کمزور دل اور احمق ہوا کرتی ہیں۔ لہٰذا جب میرا یہ خط تجھے ملے تو جو کچھ خراج شہزادی نے تجھے بھیج رکھا ہے، وہ جلد از جلد میری خدمت میں واپس بھیج دے اور اس حکم کی تعمیل کرکے اپنا بچاؤ کرلے ورنہ تیری سرکوبی اور ہماری جیت کا فیصلہ تلوار کرے گی۔“

ہارون رشید نے شاہ روم کا خط پڑھا تو اس کے چہرے پر سخت غصّے کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اس نے ایک لمحہ سوچا اور پھر اسی خط کی پشت پر یہ تحریر لکھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کے امیر ہارون رشید کی جانب سے رومی کُتے نقفور کے نام

”اے کافر ماں کی اولاد! میں نے تیرا خط پڑھ لیا ہے اور اس کا جواب پڑھنے سے نہیں بلکہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔“

پھر ہارون رشید فوراً اٹھ کھڑا ہوا، جنگ کی تیاری کی اور اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ رومی سرحد میں داخل ہوکر رومی شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ رومی بادشاہ کی بیٹی کو اپنے حرم میں شامل کرلیا اور بہت سارا مالِ غنیمت اسے حاصل ہوا۔ نیز اس نے دشمن کے گھروں کو ویران کردیا اور باغات کو جلانے کا حکم دیا۔

جب شاہ روم کو اپنی شکست نظر آئی تو اس نے ہارون رشید سے ہر سال خراج کی ادائیگی پر صلح کی درخواست کی۔ ہارون رشید نے اس کی درخواست منظور کرلی۔ لیکن جب وہ واپسی میں شام کے علاقہ ”رقہ“ پہنچا تو نقفور نے پھر اپنا معاہدہ توڑ ڈالا۔ جب ہارون رشید کو اس بات کی اطلاع ملی تو اس نے کہا: ”اس نے پھر عہد شکنی کردی۔“

ہارون رشید وہیں سے روم لوٹ گیا اور شاہِ روم کے آنگن میں اپنی سواری بٹھائی، نقفور سے اس کی عہد شکنی کے عوض کئی گنا بڑھا کر خراج لیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر واپس آیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے اس وقت روم پر جو خراج عائد کیا تھا اس کی وجہ سے سلطنتِ روم کی کمر برسوں سیدھی نہ ہوسکی۔ (البدایۃ والنہایۃ۔ ۱۰/۱۹۴)

مزاحیہ حکایات وواقعات

(گذشتہ سے پیوستہ)

تیری یاد سے غافل نہیں رہا

یہاں پر ان دونوں ارشادات کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل علم جب مزاح کی گفتگو کرتے ہیں تو وہ کسی طرح بھی اپنے اللہ سے غافل نہیں رہتے، حکیم صاحب کی ان لطیف باتوں میں بھی آپ دیکھیں گے کہ وہ لطیف گفتگو کے بعد یا پہلے کچھ جملے اس طرح فرماتے ہیں کہ ایک ہنستا، مسکراتا چہرہ مزاح کے اثرات سے یکسر تبدیل ہو کر فکرِ آخرت کی سنجیدگی میں آجاتا ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قتادہ تابعی نے بیان فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بھی ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

نَعَمْ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ

ہاں بے شک وہ حضرات ہنسنے کے موقع پر ہنستے بھی تھے لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر ہوتا تھا۔ (یعنی ان کا ہنسنا غافلین کا سا ہنسنا نہیں ہوتا تھا جو قلوب کو مردہ کر دیتا ہے۔)

اور بلال بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

اَدْرَكْتُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا

میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کے لیے دوڑ میں مقابلہ کیا کرتے ہیں) اور باہم ہنستے ہنساتے بھی تھے، پھر جب رات ہو جاتی تو بس درویش ہو جاتے۔ (معارف الحدیث، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ شرح السنتہ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ ایسی مقدس شخصیات کے لیے لکھتے ہیں:

گو رہا میں رہینِ منتہائے روزگار
لیکن تیری یاد سے غافل نہیں رہا

جو کیفیت آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کی پڑھی ہے، اس سے ملتا جلتا ماحول آپ اس کتاب میں موجود مزاحیہ اقوال میں بھی دیکھیں گے۔ مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدّظلّہ، نے یہ طرز اپنے اکابر کی اتباع میں اختیار فرمایا ہے۔

حکیم صاحب مدّظلّہ فرماتے ہیں کہ دورانِ گفتگو لطائف کا تذکرہ بھی اپنے اکابر کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے کرتا ہوں۔

مثلاً: ایک وعظ کے دوران فرمایا:

”یہ لطیفہ ہمارے اکابر کا ہے، اور اکابر کے طریقے پر اس کو پیش کر دیا، آدمی ذرا ہنس لیتا ہے، تو دماغ حاضر ہو جاتا ہے، طبیعت میں نشاط پیدا ہو جاتا ہے، انشراحِ قلب نصیب ہو جاتا ہے۔

(اس کتاب میں مذکورہ لطیفہ ”مخنث“ کے عنوان کے ساتھ ایک عبارت موجود ہے) جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان لطائف سے ان کا مقصود کیا ہے؟

ایک لطیفہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

”خیر یہ تو قافیہ بازی ہے، جس سے اللہ کلام کو لذیذ کر دیتا ہے“۔ (منازل سلوک: ۴)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مزاح کا وہ ملکہ دیا ہے کہ شاید ہی کسی کو ملا ہو۔ دراصل وہ حکیم ہیں، جانتے ہیں کہ دوا میں شہد اور مصری کا استعمال کتنا اور کہاں ضروری ہے؟

ایک اور مثال پڑھیے، آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ ”موت“ جیسے سنجیدہ موضوع کو کس طرح ”شیرینی“ شامل کر کے دلوں کی گہرائی میں اتارتے ہیں... فرمایا

ایک تاجر سے بات ہو رہی تھی، کہنے لگے کہ صاحب! مجھے تو کراچی میں مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔ میں نے کہا جی ہاں آپ کو مرنے کی فرصت نہیں ہے موت کا فرشتہ جب آئے گا تو سیٹھ صاحب سے مشورہ کرے گا کہ حضور! آپ کو مرنے کی فرصت ہے یا نہیں؟

جان نکالوں یا نہ نکالوں، ابھی آپ ”بزی“ تو نہیں ہیں؟ وہ کہے گا ”بزی“ ہو مگر میں ”بُز“ ہی بنا کے رہوں گا۔ بُز کے معنٰی بکری یعنی ابھی روح نکالتا ہوں۔ عزرائیل علیہ السّلام شیروں کو بکری بنا دیتے ہیں۔ روح ایسے نکالتے ہیں کہ پہلوان بھی دھڑام سے پڑتا ہے، کوئی کتنا ہی بڑا پہلوان ہو موت کے سامنے اس کا کیا

داؤ چلے گا؟(علاج الغضب:۴۰)

مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وتقویٰ، سنجید گی اور اصول پسندی سے کون ناواقف ہے، لیکن بایں ہمہ وہ بھی اپنی گفتگو اور سوالات کے جوابات حتیٰ کہ خالصتاً مسائلِ تصوف پر بات کرتے ہوئے بھی مزاح فرمالیا کرتے تھے، اسی طرح دیگر اکابر رحمہم اللہ کی زندگی کا یہ گوشہ ان کی سوانح میں ملتا ہے۔ تمثیل کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند مزاحیہ جملے لکھتا ہوں، جن سے اکابر رحمہم اللہ کی اس پاکیزہ خصلت کی ایک جھلک ہمارے قارئین کو نظر آجائے گی اور معلوم ہوگا کہ وہ اپنی گفتگو کے اس نادر پہلو میں بھی مزاح مسنون کا کتنا خیال کرتے ہیں۔ ایک شخص نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا:

”بجلی کی روشنی میں ذکر کرتا ہوں، اس لیے کہ اندھیرے میں ذکر کرتے ہوئے طبیعت گھبراتی ہے۔“ اس پر مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لکھا:

”کیا حرج ہے، روشنی تو اچھی چیز ہے۔ تجلی نہیں تو بجلی ہی سہی۔“ (الافاضات الیومیہ)

ایک صاحب نے لکھا:” حاضری کو بہت جی چاہ رہا ہے مگر اپنی بیماری کی وجہ سے آنے سے معذور ہوں جس کا بے حد قلق ہے۔“

اس پر مولانا تھانوی رحمۃ اللہ نے انہیں لکھا:

”یہاں کا آنا تو ”آنہ “ ہی تھا اور وہاں رہنا ”اشرفی ہے۔“ (الافاضات الیومیہ)

ایک صاحب کے بارے میں پتا چلا کہ وہ انگریزی میں فیل ہو گئے ہیں، سن کر فرمایا:

”وہ فیل اپنے کسی فعل سے ہی ہوئے ہیں۔“(موت وحیات)

ایک صاحب کو خیال رہنے لگا کہ وہ ابدال ہو گئے ہیں۔ ان کی حالت سن کر فرمایا:

”پہلے گوشت تھے اب دال ہو گئے ہیں۔“(انفاسِ عیسیٰ)

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا:

”حضرت! میرے پاس یادگارِ غالب رکھی ہے، آپ کبھی دیکھنا پسند فرمائیں تو آپ کے پاس رکھ دوں۔“

اس پر مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”یہاں مغلوبوں کا ہی کلام دیکھنے سے فرصت نہیں۔ غالب کا کلام کیسے دیکھوں۔“(مجالس حکیم الامت)

ایک شخص نے عرض کیا:

”حضرت! پنشن ہو جانا بڑی نعمت ہے، ملازمت کے دوران ایک ایک دن پہاڑ لگتا ہے، بڑی کوفت

ہوتی ہے۔"

سن کر فرمایا: "ہاں ان کو فتوں سے شوربا اچھا ہے۔" (القول الجلیل)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے

"میں ایک صاحب سے ملنے کے لیے گیا۔ وہ تھے نہیں، ملازم نے بتایا، کھیلنے گئے ہیں۔ میں نے کہا، یوں کہہ دیتے کہ تفریح کے لیے گئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ کی بھی شائستگی سکھائی ہے"۔(حقیقت عبادت)

ایک صاحب نے لکھا کہ اصحابِ کہف کے نام تحریر کر دیں۔ جواب میں لکھا: "اصحاب کہف کے افعال جانتا ہوں۔ ان کے نام نہیں جانتا۔"

کسی بزرگ کے بارے میں فرمایا:

"شیخ تو وہ ہیں، میں تو سیخ ہوں۔ اگر حرکت بھی نہ کروں تو پھر کوئی صورت بھی اصلاح کی نہ رہے، اس لیے زبان سے، ہاتھ سے حرکت کرتا رہتا ہوں جس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔" (اشرف اللطائف)

قارئین! اب تک مزاح کے متعلق جو کچھ لکھا گیا اس کا خلاصہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کے کلام (چھ اہم باتیں) سے ہی پیش خدمت ہے۔

ہنسی مزاح کے متعلق علوم نافعہ

ارشاد فرمایا کہ حدیث پاک میں کثرت ضحک سے دل مردہ ہونے کی جو وعید وارد ہوئی ہے اس سے مراد وہ ہنسی ہے جو غفلت کے ساتھ ہو۔ یہ بات ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں حدیث۔

(۱) اِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ کی شرح میں لکھی ہے۔

جو لوگ شرح نہیں دیکھتے وہ مطلق ہنسی کو برا سمجھتے ہیں۔

اگر حدیث پاک کے یہ معنی ہوتے جو یہ متقشف لوگ سمجھتے ہیں تو ہنسنا ثابت ہی نہ ہوتا۔ حالاں کہ حدیثوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنسے حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ کہ آپ کی ڈاڑھیں کھل گئیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہنسا کرتے تھے۔

كَانُوْا يَضْحَكُوْنَ وَلٰكِنَّ الْاِيْمَانَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ كَانَ اَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوب ہنستے تھے، لیکن ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ تھا۔

(۲) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے بتایا کہ ایک بار خواجہ صاحب نے ہم

لوگوں کو خوب ہنسایا پھر ہم لوگوں سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اس وقت ہنسی کی حالت میں کس کس کا دل اللہ سے غافل تھا؟

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ خاموش رہے تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمد للہ میرا دل اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول تھا پھر یہ شعر پڑھا۔

ہنسی بھی ہے گو لبوں پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

(۳) اور ایک مثال اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی کہ کسی باپ کے بہت سے بچے ہوں جو باپ کے نہایت فرماں بردار ہوں اور باپ ان سے خوش ہو۔ وہ جب آپس میں ہنستے ہیں تو باپ خوش ہوتا ہے کہ میرے بچے کیسے ہنس رہے ہیں؟ اور نافرمان بچے جن سے باپ ناخوش ہے اور وہ جب ہنستے ہیں تو باپ کو غصہ آتا ہے کہ مجھے ناخوش کیا ہوا ہے اور نالائق ہنس بھی رہے ہیں۔ جن بندوں نے اللہ کو راضی کیا ہوا ہے اور جو اللہ کو ناخوش نہیں کرتے۔ اپنی آرزوؤں کو توڑ دیتے ہیں۔ لیکن اللہ کے قانون کو نہیں توڑتے ان کے ہنسنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، اور جو غافل اور نافرمان ہیں ان کی ہنسی بھی اللہ کو ناپسند ہے۔ دونوں کے ہنسنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی پر میرا شعر ہے۔

غافل کی ہنسی اور ہے ذاکر کی ہنسی اور

اور میرا دوسرا شعر ہے۔

دل ہے خنداں جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

(۴) حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ زیادہ سنجیدہ ہوتے ہیں اکثر منکر ہوتے ہیں۔

اور فرمایا کہ ہنستا بولتا اچھا آدمی اس میں تکبر نہیں ہوتا، میں بھی بچپن سے خاموش طبع، فکر مند جو ہر وقت کچھ سوچتا رہتا ہو ایسے لوگوں سے دور بھاگتا تھا۔ مجھے بھی خوش طبع اور ہنسنے بولنے والے لوگوں سے مناسبت ہوتی ہے۔ زیادہ خاموش اور سنجیدہ قسم کے لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

مسائل اور ان کے جوابات

سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت آٹھ ربیع الاول کی یقینی ہے یا ظنی ہے، اور وفات کی تاریخ بھی کیا بارہ ربیع الاول ہے، یا کوئی اور دن ہے، وضاحت فرمادیں۔

جواب: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اصل تاریخ کا اس حد تک تو اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک ماہ ربیع الاول میں ہوئی، البتہ تاریخ کے بارے ۹،۸،۷،۶،۲ مختلف اقوال ہیں، جن میں راجح قول ۸ ربیع الاول کا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "سیرۃِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ا صفحہ ۵۱" میں اس قول کو ترجیح دی ہے، جبکہ بعض حضرات نے ۹ ربیع الاول کے قول کو ترجیح دی ہے، لہٰذا ۸ ربیع الاول کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یقینی نہیں بلکہ راجح ہے، البتہ وفات کے بارے مشہور رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لیکن مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ حساب سے کسی طرح یہ تاریخ وفات نہیں ہو سکتی، بلکہ تاریخ وفات ۲ ربیع الاول ہے (دیکھیے سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۰۴)۔

سوال: ۱۲ ربیع الاول کو جلسہ سیرت منعقد کرنا کیسا ہے۔

جواب: واضح رہے کہ رحمتِ کائنات محبوب خدا نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وحالات کے عنوان سے مسلمانوں کو جمع کرنا اور اس کی محفلیں منعقد کرنا موجب خیر وبرکت اور باعثِ فخر ہے، لیکن شریعتِ مطہرہ نے ہر کام اور ہر عبادت کے لیے کچھ حدود مقرر کیے ہیں، ان حدود کی رعایت رکھتے ہوئے اگر کوئی کام کیا جائے تو پسندیدہ ہے اور ان حدود سے تجاوز کرنا ناجائز اور سخت گناہ ہے، اسی وجہ سے سیرت طیبہ کے مبارک تذکرہ کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اور اس کی محفلیں منعقد کرنے کے لیے بھی حدود وقیود ہیں۔ لہٰذا اگر درج ذیل امور کی رعایت رکھتے ہوئے سیرتِ طیبہ کے مبارک تذکرے کے لیے محفل منعقد کی جائے تو باعثِ خیر وبرکت ہے مثلاً!

(۱) اس محفل کے انعقاد کے لیے سال کے کسی معین دن، تاریخ یا مہینے کو مخصوص نہ سمجھا جائے، بلکہ سال کے ہر ہر دن میں ان کے انعقاد کو یکساں طور پر باعث سعادت سمجھا جائے۔

(۲) کھانے پینے کی اشیاء کی تقسیم کو لازم نہ سمجھا جائے، اور نہ ہی خود اس محفل کو واجب کا درجہ دیا جائے۔

(۳) ان محفلوں میں روایات غلط بیان نہ کی جائیں۔

(۴) اگر کوئی شخص اس جلسہ میں شریک نہ ہو، تو اسے بُرا بھلا نہ کہا جائے۔

(۵) نعت پڑھنے والے بے ریش لڑکے نہ ہوں۔

(۶) اس جلسہ کے انعقاد سے کسی کو تکلیف نہ ہو، مثلاً آواز اتنی بلند نہ کی جائے کہ جس سے کسی بیمار کو تکلیف پہنچے، یا کسی کی عبادت و نماز میں خلل واقع ہو۔ غرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا مفاسد سے بچتے ہوئے اور ان سے احتراز کرتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سیرتِ طیبہ کا جلسہ منعقد کیا جائے، تو ان شاءاللہ سراسر خیر ہے۔

واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حالات پر مطلع کرنے میں اگر مذکورہ شرائط کا خیال رکھا جائے، تو موجب خیر و برکت اور باعثِ فخر و سعادت ہے اور مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی بلاشبہ اسی میں منحصر ہے، خواہ کوئی بھی کرے اور اگر مذکورہ شرائط کی پابندی نہ کی جائے، بلکہ ان میں بھی اہل بدعت کی مروجہ میلاد النبی کے جلسوں کی طرح مفاسد پائی جائے، تو یہ بھی منعقد کرنا درست نہیں ہو گا۔

سوال: ہمارے یہاں ۱۲ ربیع الاول کو لوگ مسجد میں جمع ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں کیا یہ شریعت مطہرہ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس طرح کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔

جواب: ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر درود و سلام کے لیے محفلیں جمانا اور مسجدوں میں اکٹھے ہو کر درود و سلام پڑھنا شریعت میں ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ بدعت ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

سوال: عرض خدمت یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول یا ربیع الاول کی کسی بھی تاریخ کا روزہ رکھنا کیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں براہ کرم جواب عنایت فرمادیں۔

جواب: واضح رہے کہ ہماری تحقیق کے مطابق ماہ ربیع الاول میں روزہ رکھنے کے بارے مستقل طور پر کسی قسم کی کوئی حدیث وارد نہیں، البتہ بعض احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے کے ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵) تاریخ کو روزہ رکھتے تھے، اور ان مہینوں میں ماہ ربیع الاول بھی شامل ہے، لہٰذا اس اعتبار سے ربیع الاول میں بھی ان ایام میں روزہ رکھنا ثابت ہوا، اور ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ کی تخصیص پھر بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

سوال: ہمارے پڑوسی ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی کے نام سے خوشی مناتے ہیں اور اس دن ہمارے گھروں میں کھانا بھیجتے ہیں، اس کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: شرعاً کسی خاص اور متعین دن میں ثواب کی نیت سے کھانا تقسیم کرنا بدعت ہے، ۱۲ ربیع الاول کو کھانا

بنا کر پڑوسیوں یا دیگر اقارب میں تقسیم کرنا بدعت ہے، جس سے اجتناب لازم ہے، البتہ اگر لینے والے کو اس بات کا علم ہو کہ یہ کھانا غیر اللہ کے نام پر تقسیم نہیں کیا جا رہا، اور دینے والا اس تقسیم کو لازم اور ثواب نہیں سمجھتا، تو لینے کی گنجائش ہے۔

سوال: ماہ ربیع الاول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں مکانوں، دفاتر اور دیگر عمارتوں پر بتیاں وغیرہ اور چراغاں کیا جاتا ہے، تو کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے یا نہیں اور اس طرح کرنے سے ثواب ملتا ہے یا نہیں۔

جواب: جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت، تکریم وتوقیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت وعقیدت رکھنا ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے، لیکن عقیدت ومحبت کا یہ طریقہ کہ ماہ ربیع الاول میں عمارتوں اور مساجد وغیرہ پر چراغاں کرنا اور مروجہ جشن میلاد النبی منانا اور اس عمل کو باعثِ ثواب سمجھنا بدعت اور معصیت ہے، قرونِ اولیٰ اور سلفِ صالحین کے دور میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، نیز اس میں ایک طرح کا اسراف بھی ہے اس لیے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

سوال: کیا ربیع الاول کے موقع پر ولادت کا مہینہ مناتے ہوئے اجتماعی خیرات کا کرنا، گائے وغیرہ ذبح کرنا برکت کا مہینہ سمجھتے ہوئے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: یاد رہے کہ صدقہ وخیرات کرنا فی نفسہ بہت بڑے اجر وثواب کا کام ہے، بشرطیکہ اس کو کسی وقت یا دن کے ساتھ خاص نہ کیا جائے، اور دیگر منکرات شرعیہ سے بچا جائے، شریعتِ مطہرہ میں ربیع الاول کے مہینے یا بارہ ربیع الاول کے دن کے حوالہ سے کوئی خاص احکامات نہیں، اسی طرح بارہ ربیع الاول کے موقع پر کھانا وغیرہ پکا کر کھلانا یا خیرات وغیرہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اگر یہ کوئی نیک کام ہوتا، تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین اور سلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم یہ کام ضرور کرتے، معلوم ہوا کہ یہ ایک بے اصل کام ہے، جس کا شریعتِ مطہرہ میں کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اگر کوئی ربیع الاول میں خیرات وغیرہ شرعاً ضروری سمجھ کر کرتا ہے، یا یوں سمجھتا ہے کہ خاص اس مہینہ میں ایسا کرنا ثواب کا باعث ہوگا، باقی مہینوں میں نہ ہوگا، تو یہ بدعت ہے، اس سے بچنا لازم ہے، اور اگر کوئی شخص اس کو ایسا سمجھ کر نہیں کرتا، تو اس کے لیے یہ کام اگرچہ فی نفسہ بدعت نہیں ہے، لیکن عوام میں چوں کہ اس قسم کی بدعات کا رواج ہے، اس لیے صحیح العقیدہ شخص کو بھی اس سے پرہیز کرنا چاہیئے، تاکہ اس کے اس عمل سے بدعات کی تائید لازم نہ آئے۔

خانقاہ کے شب وروز

سندھ کا سفر

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم کا سندھ کا دینی واصلاحی سفر ہوا، حضرت والا دامت برکاتہم ہالہ، میرپور خاص اور نوکوٹ تشریف لے گئے جہاں حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات ہوئے اور مختلف احباب حضرت والا دامت برکاتہم کے ہاتھ پر سلسلہ میں داخل ہوئے۔

مہمانوں کی آمد

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ یوسف بنوریؒ (بنوری ٹاؤن) کے دارالافتاء کے صدر مفتی حضرت مفتی سعید صاحب اور حضرت مولانا فضل حق صاحب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تشریف لائے اور حضرت والا دامت برکاتہم سے ملاقات فرمائی۔ جبکہ بنوری ٹاؤن سے مفتی عبد القادر صاحب بھی خانقاہ تشریف لائے اور حضرت والا دامت برکاتہم سے ملاقات فرمائی۔

رائے ونڈ سے حضرت مولانا خورشید صاحب ابن حضرت مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے ونڈ شوریٰ کے ہمراہ خانقاہ تشریف لائے اور سالانہ اجتماع کے بارے میں آگاہی دی۔

ساؤتھ افریقہ سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اجازت یافتہ مولوی شبیر احمد صاحب، آئرلینڈ سے حضرت والا دامت برکاتہم کے اجازت یافتہ مولوی محمد مصطفیٰ خانقاہ میں وقت لگانے حاضر ہوئے۔

سالکین طریق کی خانقاہ آمد

ماشاء اللہ! روزانہ کی بنیاد پر محبتِ الٰہیہ سے سرشار سالکین طریق حضرت والا دامت برکاتہم کے فیض وبرکات سے مستفیض ہونے خانقاہ حاضر ہوتے رہتے ہیں، جس سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

۞۞۞۞

جامعہ کے شب وروز

حضرت مدیر جامعہ مد ظلہم العالی کا تعزیتی بیان

بروزِ ہفتہ ۲۴/ صفر الخیر ۱۴۴۰ھ کو مدیر جامعہ حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب مد ظلہم نے ملک کے معروف ومشہور مذہبی وسیاسی بزرگ شخصیت، مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، سربراہ جمیعت علماء اسلام (س)، چیئرمین دفاع پاکستان کونسل، اور لاکھوں علماء وطلباء کے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کے سانحہ شہادت (حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ بروز جمعہ ۲۳/ صفر الخیر ۱۴۴۰ھ کو اسلام آباد میں تحفظ ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ریلی سے خطاب کرنے کے بعد بحریہ ٹاؤن اسلام آباد میں اپنی رہائش گاہ پر آرام فرمارہے تھے جہاں نامعلوم افراد نے عصر اور مغرب کے درمیان مولانا کو شہید کیا) پر طلباء کرام میں تعزیتی بیان فرمایا، جس میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی شہادت پر افسوس کا اظہار فرماتے ہوئے طلبائے کرام کو صبر وتحمل اختیار کرنے اور حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے بلندیٔ درجات کے لیے خوب ایصالِ ثواب اور دعا کرنے کی ترغیب دی۔

ادارہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی شہادت پر ان کے ورثاء سے تعزیت کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے صاحبزادگان سمیت ہم تمام محبین کو صبر جمیل عطاء فرمائے، اور ان کے درجات بلند فرمائے، اور حضرت کی شہادت کو مدارس دینیہ کی ترقی کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مہمانوں کی آمد

گزشتہ دنوں حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا قاری قیام الدین صاحب دامت برکاتہم کھیوڑہ کے قریب مدرسہ اشرفیہ فیض القرآن ضلع جہلم سے مدیر جامعہ سے ملاقات کی غرض سے جامعہ تشریف لائے، ملاقات کے بعد جامعہ کے شعبہ تحفیظ القرآن الکریم کا دورہ بھی فرمایا، شعبہ حفظ کی تعلیم وتربیت اور حسن انتظام کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا، بعد ازاں

مولوی حافظ محمد عبد اللہ میاں سلمہٗ (ناظم اعلیٰ شعبہ تحفیظ القرآن الکریم وفرزند مدیر جامعہ مدظلہم ونبیرہ وخلیفہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ) کی دعوت خصوصی پر شعبۂ حفظ کے اساتذہ اور طلباء کرام کے لیے قاری صاحب کاحفظ قرآن الکریم کے آداب کے موضوع پر مختصر بیان ہوا۔

مزید برآں شعبۂ دار القرآن الکریم جامعہ اشرف المدارس کراچی میں حضرت والا دامت برکاتہم کے حکم پر شعبہ ہٰذا سے منسلک اساتذہ وطلبۂ کرام کی تربیت وتعلیم کو مزید بہتر بنانے کے لیے شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ حسنہ کی تعلیم بالترتیب شروع کی گئی ہے، جبکہ طالبین میں مواعظ حسنہ تقسیم بھی کیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ پڑھنے اور سننے والوں کے لیے نافع ومقبول بنائیں۔

حضرت مولاناعبد المنان صادق صاحب بھی گزشتہ دنوں مدینہ منورہ (جو تقریباً ۲۰ سال سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں) سے پاکستان تشریف لائے تھے اور جامعہ کو بھی رونق بخشی، مولانانے جامعہ کا تفصیلی دورہ فرما کر جامعہ کی ظاہری وباطنی ترقی کے لیے خوب دعائیں کیں۔

دعائے صحت

جامعہ کے شعبہ حفظ کے استاذ جناب قاری عبد الصمد صاحب کافی دنوں سے علیل ہیں، اللہ تعالیٰ جناب قاری صاحب کو شفاء کاملہ عطا فرمائیں، اور قارئین سے بھی قاری صاحب کی صحت یابی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

اعلان امتحان شعبہ تحفیظ القرآن الکریم

تمام طلباء وسرپرست حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جامعہ اشرف المدارس کراچی میں شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم کا ششماہی امتحان ان شاء اللہ العزیز بروز پیر غالباً ۳؍ ربیع الثانی ۱۴۴۰؁ھ مطابق ۱۲؍ نومبر؍ ۲۰۱۸؁ء کو شروع ہوگا۔ شعبۂ قرآنیہ کے طلباء کرام دلجمعی کے ساتھ امتحان کی تیاری میں مشغول ہو جائیں۔

از:

دفتر شعبہ تحفیظ القرآن الکریم

جامعہ اشرف المدارس